جلد ۲۶ ٭ شمارہ ۲۵

۹ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ ٭ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۰ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم

مولوی محمد اجمل قادری

مدیر

محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
	سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ 1/50

اداریہ

ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ

اس میں شرکت ہمارا دینی و ملّی فرض ہے

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مفکر احرار چوہدری افضل حق، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جیسے غیور اور نابغہ روزگار حضرات نے اپنے جی دار اور بہادر ساتھیوں کی معیت میں مجلس احرار اسلام کی بنیاد ڈالی تھی جسے امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری اور بعد میں قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ محمد عبد القادر رائپوریؒ جیسے اساطین ملت کی سرپرستی حاصل تھی۔

مجلس نے اس میدان میں جو کام کیا اس کی مثال تاریخ کے صفحات میں ملنی مشکل ہے شاہ جی مرحوم نے ملکی سیاسیات سے لاتعلقی کا اعلان کر کے اپنی تمام تر سرگرمیاں اس محاذ کے لیے وقف کر دیں۔ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری، استاذ العلماء مولانا محمد حیات اور رئیس المناظرین مولانا لال حسین اختر جیسے رفقاء نے اس محاذ پر شاہ جی کی رفاقت کا فیصلہ کر لیا اور یوں مجلس تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ حضرت رائے پوریؒ اور حضرت لاہوریؒ جیسے بزرگوں نے اپنی حیات مستعار کے آخری لمحہ تک اس جماعت کی سرپرستی فرمائی۔ اور اب بھی ملک بھر کے مشائخ و علماء کی سرپرستی اس جماعت کو حاصل ہے۔ مجلس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے مختلف زبانوں میں لٹریچر وافر مقدار میں فراہم کیا۔

مجلس کا تبلیغی نظام سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے اور ملک سے باہر یورپ، مشرق بعید کے ممالک، دنیائے عرب اور جزائر فیجی تک یہ سلسلہ موجود ہے۔ ملتان کے عظیم الشان مرکزی دفتر کے علاوہ مختلف شہروں میں ملکیتی دفاتر موجود ہیں اور باقی مقامات

پر کرایہ کی عمارتوں میں دفاتر قائم ہیں۔ "لولاک" مجلس کا ہفت روزہ ترجمان ہے۔ اور ربوہ میں مجلس کے زیر اہتمام مسجد و مدرسہ کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے — مجلسی بزرگوں کی رہنمائی میں ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحاریک ختم نبوت پاکستان میں دینی جدوجہد کا ایک روشن باب ہے۔ ۱۹۵۳ء میں امیر شریعتؒ سمیت تمام اکابر موجود تھے جبکہ ۱۹۷۴ء میں الشیخ العلوم مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو قیادت کا لازوال شرف حاصل ہوا اور اسمبلی کے اندر اسی قافلہ کے فرد فرید حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے قائدانہ کردار ادا کیا (فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء) مجلسی سرگرمیوں میں چنیوٹ کی کانفرنس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شاہجہان جیسے عظیم مغل بادشاہ کے مدبر و زیرک وزیر نواب سعد اللہ خاں کا یہ شہر دریائے چناب کے کنارے آباد ہے اور دریا کے دوسرے کنارے "ربوہ" — اسی مناسبت سے حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ نے ربوہ کے سالانہ جلسہ کے ایام میں چنیوٹ میں اس کانفرنس کا اہتمام کیا جو اس وقت سے اب تک بڑی باقاعدگی سے منعقد ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس کے سٹیج پر ملت کے ہر طبقہ کے ذمہ دار حضرات برابر تشریف لاتے رہے۔ اور اب بھی آ رہے ہیں ملک میں جلسوں اور کانفرنسوں کی کمی نہیں اور یقیناً اس قسم کے پروگرام دعوتِ دین کے جذبہ سے ہی ہوتے ہیں لیکن ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ یہ کانفرنس ہر اعتبار سے منفرد ہے اور اس میں شرکت عین سعادت و ثواب،

اس کانفرنس کا انعقاد کرنے والے ایک ایسا فرض ادا کر رہے ہیں جس کی ادائیگی کے لیے ہر مسلمان کو تن من دھن قربان کر دینا چاہیئے۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ر دسمبر کو امسال کانفرنس منعقد ہو رہی ہے ہم توقع رکھیں گے کہ علماء و مشائخ، قائدینِ ملت و زعماء قوم اور عام مسلمان پورے ملی جوش اور دینی جذبہ سے اس میں شریک ہوں گے اور اسے اپنا فرض خیال کریں گے۔

— یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج مجلس کو شیخ العلماء سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے گل سرسبز حضرت مولانا خان محمد صاحب کی قیادت و رہنمائی حاصل ہے — اٹھیں اور ۲۶ دسمبر کا جمعہ ربوہ میں ادا کر کے اور باقی ایام چنیوٹ کانفرنس کے اجلاسوں میں شرکت کر کے اس بات کا ثبوت دیں کہ آپ کا ملی شعور بیدار ہے اور آپ تاجدار انسانیت فخر رسل حضرت محمد ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم سے سچی عقیدت رکھتے ہیں۔

علوی ۲۷ محرم (۱۴۰۱ھ)

• ایک اچھی روایت

پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی صاحب انتقال کر گئے۔ ذاتی خوبیوں کے اعتبار سے ان کا منفرد مقام تھا اللہ ربّ العزت انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے انہوں نے عام مسلمانوں کے قبرستان میں اپنی تدفین اور اپنی قبر کو کچا ہی رکھنے کی جو وصیت کی وہ ایک اچھی روایت ہے۔ ایک ایک آدمی کی لیتا اور ایک ایک قبر پر ہزاروں لاکھوں کی دولت صرف کر دینا اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے — ہمیں خوشی ہے کہ چوہدری صاحب نے ایک اچھے مسلمان کا کردار ادا کر کے یہ وصیت کی اللہ تعالیٰ ان کی اس وصیت کو عام مسلمانوں کے لیے بھی نفع کا باعث بنائے؛

بادۂ راہِ حق بغیر از فنا ملتا نہیں
ہے خودی جبتک کہ انساں میں خدا ملتا نہیں
دے جو محتاجوں کو دنیا کہ ہے فرصت ابھی
ڈھونڈھتا ہے گور میں قارون گدا ملتا نہیں

ہے تکبر زر پہ لاحاصل کہ بعد از مرگ بس
ایک ہی رستہ ہے سب شاہ و گدا کیواسطے
مال و زر ملک و زمین گنج و سپاہ
کب کسی کو ہے بقا سب ہے فنا کیواسطے

ایک خادم قرآن کا سانحہ ارتحال

مدیر خدام الدین کے جدّ امجد حضرت الحاج الحافظ غلام یٰسین صاحب قدس سرہٗ ۸۹ سال کی عمر میں ۱۱ر دسمبر شام ۵½ بجے (شب جمعہ) انتقال فرما گئے۔ آپ نے ساٹھ سال تک قرآن کریم کی بے لوث خدمت کی اور ہزاروں افراد نے آپ سے استفادہ کیا آپ کے دو صاحبزادے مولانا

محمد رمضان علوی خطیب گلشن آباد پنڈی اور
مولانا حافظ محمد حفیظ الرحمن عالم و فاضل ہیں جبکہ
آگے ان کے بچے بچیاں حافظ اور عالم ہیں ۔
احقر اپنے قابل احترام قارئین اور مخلص بزرگ
اور دوستوں سے دعا کی درخواست کرتا ہے ۔
مرحوم کی زندگی کے بعض گوشے جلد ہی نذر
قارئین کروں گا ۔ (علوی)

دارالعلوم حقانیہ کے ممتاز مدرس

مولانا محمد علی سواتی
کا سانحۂ ارتحال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
کے قدیم اور ممتاز مدرس اور ہزاروں
علماء کے استاد حضرت مولانا محمد علی
صاحب کا بتاریخ ۲۰ نومبر بروز
جمعرات صبح ۱۰ بجے یہاں دارالعلوم
حقانیہ اکوڑہ خٹک میں انتقال ہو
گیا ۔ انہوں نے فقہ کی آخری کتاب
ہدایہ آخیرین کا درس دیا ۔ اور اس
کے فوراً بعد دل کا دورہ پڑا ۔
جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے ۔ آپ
پچھلے تیس سال سے دارالعلوم میں
حدیث و تفسیر اور فقہ کی اعلیٰ
کتابیں پڑھا رہے تھے ۔ وفات کے
وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق
صاحب و دیگر اساتذہ و طلباء
موجود تھے ۔ دارالعلوم حقانیہ میں
ان کا جنازہ شیخ الحدیث مولانا
عبدالحق صاحب نے پڑھایا ۔ اس
کے بعد ان کی نعش ان کے آبائی
گاؤں روانہ کی گئی ۔ جناب مولانا
سمیع الحق صاحب کی معیت میں
اساتذہ و طلبہ بڑی تعداد میں
نعش کے ساتھ سوات گئے ۔ جہاں
دوسرے دن سوات کے ہزاروں
عوام علماء و مشائخ نے جمع ہوکر
نماز جنازہ پڑھا ۔ اس کے بعد
نماز جمعہ سے قبل آپ کو اپنے گاؤں
میں دفن کر دیا گیا ۔ دوسرے دن
دارالعلوم کے دارالحدیث میں تعزیتی
اجتماع ہوا جس میں قرآن خوانی
کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا
عبدالحق مدظلہ نے درد و سوز میں
ڈوبا ہوا خطاب فرمایا ۔

حافظ محمد ایوب ناظم دارالعلوم
حقانیہ اکوڑہ خٹک

ادارہ خدام الدین اس
المناک سانحہ پر دارالعلوم حقانیہ
کے مہتمم ، اساتذہ ، طلباء اور حضرت
مولانا محمد علی کے دیگر لواحقین سے
تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ
اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت
میں جگہ دے ، ان کے پسماندگان کو
صبر جمیل سے نوازے ۔

مولانا عبدالغنی صاحب خطیب
مسجد بخاری اندرون لوہاری گیٹ لاہور
عرصہ ۳۵ سال کے لگ بھگ سے تو
اور مخلصانہ خدمت سرانجام دینے
کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے ۔
مولانا المحترم حضرت الامام
لاہوری قدس سرہٗ کے خادم و
عقیدت مند تھے اور خوبی یہ تھی
کہ انہوں نے اپنے شیخ و مربی کی
طرح دینی خدمات کا کبھی کوئی معاوضہ
قبول نہیں کیا بلکہ کمال بے لوثی
سے خدمت سرانجام دی ۔
اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ
کروٹ جنت نصیب فرمائے اور
ان کے پسماندگان و متعلقین کو صبر
جمیل سے نوازے (ادارہ)

فرمودات ربانی

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر ۱۴)
بلاشبہ تیرا پروردگار تو تجھے ہر دم
جھانک لگائے تاک رہا ہے ۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (الانعام ۱۰۳)
اگرچہ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا مگر
وہ سب کو دیکھتا ہے ۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ۱۶)
ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ
تمہارے قریب ہیں ۔

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا (یونس ۶۱)
تم جو کوئی کام بھی کر رہے ہوتے
ہو ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں ۔

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : فاروقی

ایمان کا افضل درجہ ذکر اللہ کے بغیر ممکن نہیں

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

محترم حضرات ! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ لوگ انتہائی سعادت مند ہیں کہ اس مادہ پرستی کے دور میں جب کہ ہر شخص ذاتی پریشانیوں میں مبتلا ہے اور اُن پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انتہائی مصروف زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ آپ کو ذکر اللہ کی ان مجالس میں اپنا قیمتی وقت صرف کر کے شریک ہونے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور پھر اس کے فوائد یقیناً خود بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ ذکر اللہ میں شرکت سے دل کو اطمینان، روح کو لذت اور ضمیر کو ایک سرور سا نصیب ہوتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ " اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ "۔

محترم حضرات ! یہ ایمان کی علامات میں سے ایک ہے کہ مومن آدمی کو ان مجالس میں شرکت سے قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ دنیادار دولت اور سرمائے میں، کوٹھیوں اور کاروں میں اور اعلیٰ منصب میں سکون تلاش کرتے ہیں جہاں انہیں ناکامی ہوتی ہے لیکن ایمان دار اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں پا لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر اللہ کی توفیق ایمان کی افضلیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟۔ (یعنی وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اَنۡ تُحِبَّ لِلّٰہِ وَ تُبۡغِضَ لِلّٰہِ وَ تُعۡمِلَ لِلّٰہِ لِسَانَکَ فِیۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ۔ یعنی یہ کہ بس اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت ہو اور اللہ ہی کے لئے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں لگائے رکھو۔ اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اُن کے لئے بھی وہ چیزیں ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو"۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کی اس حدیث پاک سے معلوم ہُوا کہ اعلیٰ اور افضل درجہ ایمان کا حاصل کرنے کے لئے ایک عمل یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی زبان کو ذکر اللہ میں لگائے رکھیں تو پھر یقیناً ہمیں یہ درجہ حاصل ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث کی روشنی میں اپنی زبان کو اپنی یاد میں لگائے رکھنے کی توفیق سے سرفراز فرمائیں۔

وما علینا الا البلاغ

ملک میں تعلیم موجودہ کا جو آئین ہے
دخترانِ ملت بیضاء کی یہ توہین ہے
ہو چکا اب تک جو فرزندانِ ملت کیلئے
وہ بہت کافی ہے اس ملت کی ذلت کیلئے

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : عبدالرؤف فاروقی

اللہ تعالےٰ کا قرب ہی حقیقی کامیابی ہے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّ ظلہم ○

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : امّا بعد : فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :—

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ ..... تا .... ولھم عذابٌ مقیم ۔ صدق اللہ العظیم

محترم حضرات ! سورۂ مائدہ کے چھٹے رکوع کی ابتدائی تین آیات تلاوت کی ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو اپنا قرب حاصل کرنے اور اس کے لئے محنت و مجاہدہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس کے بغیر اللہ کے عذاب سے بچنے اور نجات پانے کا کوئی ذریعہ نہیں —— چنانچہ فرمایا :۔

ترجمہ شیخ الہند رح

"اے ایمان والو ! ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اُس تک وسیلہ اور جہاد کرو اُس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تاکہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔

حاشیہ شیخ الاسلام رح

وسیلہ کی تفسیر ابن عباس، مجاہد، ابو وائل، حسن وغیرھم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے۔ تو وسیلہ ڈھونڈنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اُس کا قرب و وصول تلاش کرو قتادہ نے کہا ۔ ای تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بما یرضیہ ، خدا کی نزدیکی حاصل کرو اس کی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعے سے، ...... اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہی مقام طلب کرو تو اس مقام کا نام بھی وسیلہ اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں سے وہ سب سے زیادہ عرش رحمٰن کے قریب ہے اور حق تعالےٰ کے مقامات قرب میں سے سب سے بلند واقع ہوا ہے۔ بہرحال پہلے فرمایا ڈرتے رہو اللہ سے، لیکن یہ ڈرنا ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ، بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔ اس لئے اتقوا اللہ کے بعد وابتغوا الیہ الوسیلہ فرمایا۔ یعنی اس کی ناخوشی اور بُعد و ہجر سے ڈر کر قرب و وصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ہم قریب اُسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ درمیانی راستہ

قطعی کہ ہیں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہیں اسی کو فرمایا - و جاھدوا فی سبیلہ - جہاد کرو اس کی راہ میں یعنی اس پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو - لعلکم تفلحون تاکہ تم اس کی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو - دوسری آیت میں متنبہ فرمایا) کہ . لوگوں نے خدا سے نافرمانی اور . بےدانی کی وہ آخرت میں اگر . روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ . . سے بھی زیادہ خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی "تقوٰے ، وابتغوا الیہ الوسیلہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے ، رشوت یا فدیہ سے نہیں ہو سکتی"۔

محترم سامعین ! ترجمۂ آیات اور حاشیہ کی تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالٰے نے اہل ایمان کو جس وسیلہ اور قرب کو حاصل کرنے کا حکم دیا ہے وہی دراصل انسان کی نجات ہے اور وہ بغیر مجاہدے ، محنت اور اتباعت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ محنت اور مجاہدہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالٰے کی مرضیات کے تابع بنا لے اور اپنی تمام خواہشات کو شریعت کی خواہش پر قربان کر دے - حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی لئے فرمایا کہ لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ - کہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو اس دین اور شریعت کے تابع نہیں بنا لیتا جسے میں لے کر آیا ہوں"۔

گویا ایمان جو قرب خداوندی کے لئے بنیادی ضرورت ہے وہ تقاضا کرتا ہے کہ اپنی مرضیات کو شریعت کی مرضی پر قربان کر دیا جائے اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے ، ہر لفظ بولنے سے پہلے ، ہر کام کرنے سے پہلے دین اور شریعت سے اجازت لی جائے کہ کیا ہمارا یہ فعل خدا تعالٰے کی خوشنودی کے مطابق ہے یا نہیں ؟ اور یہ جاننا کوئی مشکل یا محال نہیں - ہمارے پاس قرآن کی صورت میں اللہ تعالٰے کے احکام کا مکمل ذخیرہ موجود ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر اللہ تعالٰی کی منشاء کے مطابق رہنمائی کرتا ہے اور احادیث کی صورت میں اللہ کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ موجود ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں کس طرح اللہ تعالٰے کی منشاء کے مطابق عمل کر کے کائنات کے انسانوں پر مرضیات خداوندی پر عمل کرنے کے لیے شاہراہ عمل متعین فرما دی - اب آخرت میں نجات اور اللہ تعالٰے کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ واضح ہو چکا ہے - اس کے علاوہ اگر کوئی انسان یہ سوچے کہ میں اپنے سرمائے اور دولت یا خزانوں اور رشتہ داروں کی بنیاد پر کسی رشوت یا کسی سفارش سے اللہ تعالٰے کے قریب ہو جاؤں گا اور عذاب الٰہی سے بچ جاؤں گا تو یہ اس کی بھول ہے - قرآن حکیم میں واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ قیامت کے دن سے پہلے اپنے اللہ کو راضی کرنے کا سامان کر لو کہ اس دن کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی کسی کے خزانے اسے عذاب سے بچا سکیں گے۔

محترم حضرات ! اللہ تعالٰی کا قرب حاصل کرنے کے لئے سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی متعدد مقامات پر اسی عقیدہ اور عمل کو ہی بنیاد قرار دیا ۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور اس نے آپؐ کے ناقہ کی مہار پکڑ لی - پھر کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ ! "اخبرنی بما یقربنی من الجنۃ ویباعدنی من النار ؟" مجھے وہ بات بتا دیجئے

جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ
سے دُور کر دے؟ راوی کہتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رُک گئے اور اپنے رفقاء سفر کی
طرف دیکھ کر انہیں متوجہ کرتے
ہوئے فرمایا لَقَدْ وُفِّقَ۔ کہ اس کو
اچھی توفیق ملی ہے کہ یہ جنت کے
قرب اور دوزخ سے دوری کے
اسباب دریافت کرتا ہے۔ پھر
آپ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ
ہاں ذرا پھر کہنا کہ تم نے کیا
سوال کیا؟

اعرابی سائل نے اپنا سوال
دہرایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ تعبد اللہ ولا
تشرک بہ شیئاً وتقیم الصلوٰۃ
وتؤتی الزکوٰۃ وتصل الرحم
دع الناقۃ کہ عبادت اور بندگی
کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی
چیز کو اس کے ساتھ کسی طرح بھی
شریک نہ کرو۔ اور نماز قائم کرتے
رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور
صلہ رحمی کرو (یعنی اپنے اہل قرابت
کے ساتھ حسب مراتب اچھا سلوک
کرو اور ان کے حقوق ادا کرو)

یہ بات ختم فرما کر حضرت
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوی
سے فرمایا کہ اب ہماری ناقہ کی
مہار چھوڑ دو۔"

محترم حضرات! حدیث مبارک
کا مفہوم بھی واضح ہے کہ اللہ
تعالیٰ کی رضا، اس کے نتیجہ میں
جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات
کا دار و مدار اطاعت و فرمانبرداری
خدا پر ہے اور یہی اصل کامیابی ہے
اگر کوئی انسان دنیا میں کتنی ہی اچھی
زندگی گذارنے کے باوجود آخرت میں
اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر
سکا تو وہ ناکام ہے اور جو شخص
دنیا میں بظاہر پریشان حالی، تنگدستی
بے بسی و بے کسی اور لاچارگی کی زندگی
گذارنے کے باوجود آخرت میں اللہ
تعالیٰ کا قرب حاصل کر جائے تو
تمام کامیابیاں اور سکون و راحت
اس کی اس ایک کامیابی پر قربان
کہ وہی کامیاب ہے اللہ تعالیٰ کا
ارشاد بھی یہ ہے کہ فَمَنْ زُحْزِحَ
عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ
فَقَدْ فَازَ۔ جو آگ سے بچا دیا
گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا
جان لو کہ وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔

حضرات! اللہ تعالیٰ ہمیں
بھی اپنے احکام کے مطابق زندگی
گذارنے اور پھر آخرت میں اپنی رضا
اپنے قرب اور اس سچی کامیابی سے
ہمکنار فرمائے۔ آمین!

و آخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العالمین۔

بقیہ: احادیث الرسول ﷺ

طاعت" ہی دین کا تقاضا ہے۔
اور اس حدیث محولہ بالا میں "سامع
مطیع" کے لیے خوشخبری و بشارت
ہے کہ جب اس نے سمع و طاعت
سے کام لیا تو اب وہ فائز المرام
اور کامیاب ہے اسے مجرم نہیں
گردانا جا سکتا۔ اسے الزام نہیں
دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے اللہ کی
بات سن کر اور عمل و طاعت کی
راہ اپنا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ
کی رحمتوں کا مورد بنا لیا لیکن جو
اسلام کی بات بہت کہتا ہے سننے
کی حد تک سب کچھ سنتا ہے لیکن
وہ "عاصی" جرم و بغاوت اور طغیان
و تمرد اور سرکشی اس کی جبلت میں
ہے اور وہ برابر نافرمانی کا ارتکاب
کرتا رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے
حضور کسی قسم کی حجت یعنی عذر پیش
نہیں کر سکتا ـــــ وہ لاکھ چاہے گا
کہ اِدھر اُدھر کی ہانک کر اور این
و آں سے کام لے کر کام نکال لے
لیکن وہ عدالت اس خالق کائنات کی
ہوگی جو دلوں کے بھیدوں سے واقف
ہے۔ اس کے سامنے کوئی داؤ فریب
نہیں چل سکے گا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام
کا مختصر ارشاد بڑا بلیغ ہے۔ اس کے
معانی پر گہرے غور کی ضرورت ہے۔
اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق
دے۔

"وہ خود ہی ذرا غور فرمائیں"

ان کا الزام کتنا گھٹیا اور سوقیانہ ہے"

مولانا عتیق الرحمان سنبھلی

• یہ کس کو غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے؟

دعوت دی جا رہی ہے آج کے عالم اسلام کی گنی چنی محترم شخصیتوں میں سے ایک، مولانا سید ابوالحسن ندوی دامت برکاتہم کو!

—— اور دعوت دینے والے ہیں کیپٹن عبدالحفیظ صدیقی (ساکن فیصل آباد) —— اور اس دعوت کی اشاعت ہوئی ہے جماعت اسلامی پاکستان کے ہفتہ دار "ترجمان ایشیا" لاہور میں۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے!

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اپنے جن فضائل و اوصاف کے لیے مشہور اور محترم ہیں۔ ان میں سے ایک ان کی زبان و قلم کی شرافت و متانت ہے۔ اور تو اور "قادیانیت" پر انہوں نے ایک کتاب لکھی، جسے وہ دوسرے علماء اسلام کی طرح قطعی ارتداد اور "نبوت محمدی کے خلاف بغاوت" سمجھتے ہیں لیکن یہ پہلی مثال ہوگی کہ نہ صرف یہ کہ قادیانیوں نے ان کے خلاف زبان درازی کا کوئی موقع اس تنقیدی کتاب میں نہیں پایا بلکہ ان کی زبان کی شرافت و متانت کا اعتراف کیا۔

مولانا جب قادیانیت پر تنقید میں بھی زبان و بیان کا یہ معیار برقرار رکھ سکتے ہیں تو پھر جنہیں وہ مسلمان جانتے ہوں ان میں سے کسی پر انہیں کچھ لکھنا یا بولنا پڑے، تو کیا سوال ہے کہ اپنے مخصوص انداز و معیار کو وہ قائم نہ رکھیں۔

دو سال کے قریب ہوتے ہیں کہ مولانا موصوف نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے دینی فکر و تصور پر کچھ اظہارِ خیال کی ضرورت محسوس کی اور "عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" کے عنوان سے ایک متوسط ضخامت کی کتاب اس ضرورت کے لیے لکھی، یہ کتاب اپنی غرض و غایت کے اعتبار سے کسی کی نظر میں وزن و لحاظ کا کیا درجہ رکھتی ہے، یہ ایک الگ بات ہے لیکن بلا خوفِ تردید، اس کتاب کے ذریعہ مولانا نے تنقید میں شرافتِ زبان، متانتِ بیان اور لطافتِ کلام کی وہ مثال قائم کی ہے کہ عصرِ حاضر میں اس کی کوئی دوسری مثال ہماری نظر میں نہیں۔ مولانا کو مولانا مودودی کے افکار سے جس درجہ کا اختلاف ہے اس کا اندازہ "تنہا" کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے کہ:۔

"جو نسل خاص ان تحقیقات و خیالات کے سایہ میں پروان چڑھے گی اور جو جماعت محض اس لٹریچر کے اثر سے تیار ہوگی اور اس کا ذہنی رابطہ کسی اور ماحول سے نہیں ہوگا۔ اس کا ایک نیا دینی مزاج بن جائے گا جو اس مزاج سے مختلف ہوگا جس کو تربیت و صحبتِ نبوی، اسوۂ رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کی اقتدار نے تیار کیا اور جو علی سبیل التوارث اس وقت تک چلا آ رہا ہے اور اسی طرح اس کی فکر دینی کی گاڑی اس پٹڑی سے ہٹ کر جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تابعین و تابعین نے ڈالا تھا ایک دوسری پٹڑی پر پڑ جائے گی۔" (ص ۱۵)

اسی نوعیت اور درجہ کے اختلاف کے ساتھ مولانا ندوی اور مولانا مودودی کے افکار پر تنقید کا قلم اٹھاتے ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ اول سے آخر تک ایک لفظ ایسا استعمال نہیں کرتے جس سے مولانا مودودی کے کسی عقیدت کیش کو جائز طور پر شکایت ہو سکے بلکہ ان کی حیثیتِ عرفی کے لحاظ، ان کی خصوصیات و خدمات کے اعتراف اور خود جماعت کے لیے

بھی بعض پہلوؤں سے تحسین کے کلمات اور نیک خواہشات کے اظہار میں اس درجہ کشادہ دل سے کام لیتے ہیں کہ مودودی صاحب سے اختلافات کرنے والے بہت سے لوگوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب مودودی صاحب کے لٹریچر اور جماعت کے مضرتوں پر لوگوں کو آگاہ کرے گی یا ان کے بارے میں مضرت کے احساس کو کم کرنے کی خدمت انجام دے گی۔

اس نوعیت کی کتاب پر جماعت اسلامی پاکستان کا ترجمان "ایشیا" بیس صفحے کا ایک مضمون فیصل آباد کے ایک کیپٹن صاحب کے نام سے شائع کرتا ہے اور اس کی بسم اللہ ہی جس "شریفانہ" عنوان سے ہوتی ہے وہ ہے،

"تلبیس"

جسے کھلی اردو میں کہتے ہیں دھوکہ دہی، فریب کاری اور وسوسہ اندازی اور اسی شان کے جو فقرے مضمون میں جا بجا آگئے ہیں، ادارۂ ایشیا نے ایسے فقروں کو ان کے صفحات کی پیشانی پر بخطِ جلی نمایاں کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے انہی نمایاں کئے ہوئے فقروں میں سے ایک وہ فقرہ ہے جسے ہم نے اس مضمون کی پیشانی پر درج کیا ہے کہ:

" وہ (مولانا علی میاں) خود ہی غور فرمائیں کہ مولانا مودودیؒ پر ان کا الزام کتنا گھٹیا اور سوقیانہ ہے" ـــــ "سوقیانہ" کے معنی اگر بالفرض آپ نہیں جانتے تو اس کے معنیٰ ہیں "بازاری" اور یہ لفظ گھٹیا پن اور پستیٔ اخلاق و کردار کی جس آخری سطح کے لیے بولا جاتا ہے شاید اس کی شرح کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب ذرا جلدی سے یہ بھی دیکھ لیجئے کہ مولانا علی میاں کا مولانا مودودی پر وہ کیا "الزام" تھا جس پر "گھٹیا" ہی نہیں "سوقیانہ" کی گالی چست کی گئی ہے؟

وہ الزام خود کیپٹن صاحب کے فرمانے کے مطابق مولانا ندوی کی اس عبارت میں پوشیدہ ہے۔ کہ

" ان عبارتوں بلکہ مصنف کی پوری کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" اور ان کی بکثرت تحریروں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اور خدا کے درمیان کا اصل تعلق اور رشتہ حاکم و محکوم کا رشتہ اور رعیت و حکومت کا تعلق ہے اور اللہ کے اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ میں اصل حیثیت اس کے مقتدرِ اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کی ہے اور گویا انبیاء علیہم السلام کی بعثت، صحفِ سماوی کے نزول اور دعوت و تبلیغ کا اصل مقصد و مدعا بس خدا کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرانا اور اس کے مطابق زندگی گذارنا ہے، یہ بات خدا پر ایمان لانے اور اسلام کو قبول کرنے کا کیسا ہی لازمی نتیجہ اور اسلام کا قدرتی مطالبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے مخلوقات سے تعلق اور مخلوقات کے اس کے ساتھ تعلق کا ایک جزو اور بہت محدود جزو ہے۔ کُل اور عظیم کُل نہیں درحقیقت خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا تعلق حاکم و محکوم اور آمر و مأمور اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف اور کہیں زیادہ نازک ہے۔"

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد کیپٹن صاحب مولانا مودودی کی کچھ عبارتیں یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کرتے ہیں کہ مولانا ندوی نے جو یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک انسان اور خدا کے درمیان رعیت و حکومت کا تعلق ہے" یہ بالکل صحیح نہیں اور ان عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"...... ندوی صاحب ذرا غور فرمائیں کہ ان کا یہ الزام کہ مولانا مودودی اللہ اور انسان کا تعلق محض حاکم و محکوم کا تعلق سمجھتے ہیں؛ کتنا گھٹیا اور سوقیانہ ہے"۔

آپ نے مولانا علی میاں کی عبارت دیکھ لی جس پر الزام کی بنیاد ہے ـــ اس عبارت میں اولاً تو "الزام" دینے کا کوئی انداز نہیں۔ ایک اظہار خیال ہے، ایک نتیجہ ہے جو مولانا مودودی کی عبارتوں سے "محض" حاکم و محکوم کا تعلق ظاہر ہوتا ہے بلکہ "اصل تعلق" یہ ظاہر ہوتا ہے۔ "محض" اور "اصل" ان دو لفظوں میں کوئی معمولی فرق نہیں ہے۔

لیکن مان لیجئے کہ الزام ہی دیا گیا ہے اور وہ بھی لفظِ "محض" کے ساتھ دیا گیا ہے، نہ کہ لفظ "اصل" کے ساتھ۔ اور یہ بھی مان لیجئے کہ یہ "الزام" غلط طور پر دیا گیا۔ تاہم کیا یہ کوئی ایسی بات تھی کہ "سوقیانہ" تو درکنار "گھٹیا" کا لفظ بھی اس کے لیے استعمال کرنا روا ہوتا؟ "نامنصفانہ" کہا جا سکتا تھا۔ "ناروا" کہہ سکتے تھے "غیر واقعی" کہہ سکتے تھے: "بے اصل" و "بے حقیقت" کہہ سکتے تھے اور علیٰ ہذا۔

جماعت اسلامی ادباء و سخنار کا مخزن ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ان میں کوئی پڑھا لکھا آدمی اس موقع و محل میں ان الفاظ کا استعمال جائز بتا سکے گا جس کسی کو اردو زبان و ادب سے تھوڑا سا مس بھی ہو گا وہ نہیں کہہ (باقی صفحہ ۱۵ پر)

"وہ خود ہی ذرا غور فرمائیں"

"اُن کا الزام کتنا گھٹیا اور سوقیانہ ہے"

(مولانا عتیق الرحمان سنبھلی)

● یہ کس کو غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے؟

دعوت دی جارہی ہے آج کے عالم اسلام کی گنی چُنی محترم شخصیتوں میں سے ایک، مولانا سید ابوالحسن ندوی دامت برکاتہم کو!

—— اور دعوت دینے والے ہیں کیپٹن عبدالحفیظ صدیقی (ساکن فیصل آباد) —— اور اس دعوت کی اشاعت ہوئی ہے جماعت اسلامی پاکستان کے ہفتہ وار ترجمان "ایشیا" لاہور میں۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے!

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اپنے جن فضائل و اوصاف کے لیے مشہور اور محترم ہیں۔ ان میں سے ایک ان کی زبان و قلم کی شرافت و متانت ہے۔ اور تو اور "قادیانیت" پر انھوں نے ایک کتاب لکھی، جسے وہ دوسرے علماء اسلام کی طرح قطعی ارتداد اور "نبوت محمدی کے خلاف بغاوت" سمجھتے ہیں لیکن یہ پہلی مثال ہوگی کہ نہ صرف یہ کہ قادیانیوں نے ان کے خلاف زبان درازی کا کوئی موقع اس تنقیدی کتاب میں نہیں پایا بلکہ ان کی زبان کی شرافت و متانت کا اعتراف کیا۔

مولانا جب قادیانیت پر تنقید میں بھی زبان و بیان کا یہ معیار برقرار رکھ سکتے ہیں تو پھر جنہیں وہ مسلمان جانتے ہوں ان میں سے کسی پر انہیں کچھ لکھنا یا بولنا پڑے، تو کیا سوال ہے کہ اپنے مخصوص انداز و معیار کو وہ قائم نہ رکھیں۔

دو سال کے قریب ہوتے ہیں کہ مولانا موصوف نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے دینی فکر و تصور پر کچھ اظہارِ خیال کی ضرورت محسوس کی اور "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" کے عنوان سے ایک متوسط ضخامت کی کتاب اس ضرورت کے لیے لکھی، یہ کتاب اپنی غرض و غایت کے اعتبار سے کسی کی نظر میں وزن و لحاظ کا کیا درجہ رکھتی ہے، یہ ایک الگ بات ہے لیکن بلا خوفِ تردید، اس کتاب کے ذریعہ مولانا نے تنقید میں شرافتِ زبان، متانتِ بیان اور لطافتِ کلام کی وہ مثال قائم کی ہے کہ عصرِ حاضر میں اس کی کوئی دوسری مثال ہماری نظر میں نہیں۔ مولانا کو مولانا مودودی کے افکار سے جس درجہ کا اختلاف ہے اس کا اندازہ تمہاں کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے کہ :-

"جو نسل خالص ان تحقیقات و خیالات کے سایہ میں پروان چڑھے گی اور جو جماعت محض اس لٹریچر کے اثر سے تیار ہوگی اور اس کا ذہنی رابطہ کسی اور ماحول سے نہیں ہوگا۔ اس کا ایک نیا دینی مزاج بن جائے گا جو اس مزاج سے مختلف ہوگا جس کو تربیت و صحبتِ نبوی، اسوۂ رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کی اقتدار نے تیار کیا اور جو علیٰ سبیل التوارث اس وقت تک چلا آ رہا ہے اور اسی طرح اس کی فکر و سعی کی گاڑی اس پٹڑی سے ہٹ کر جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے "تابعین و تابعین" نے ڈالا تھا ایک دوسری پٹڑی پر پڑ جائے گی۔" (ص ۱۵)

اسی نوعیت اور درجہ کے اختلاف کے ساتھ مولانا ندوی اور مولانا مودودی کے افکار پر تنقید کا قلم اٹھاتے ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ اوّل سے آخر تک ایک لفظ ایسا استعمال نہیں کرتے جس سے مولانا مودودی کے کسی عقیدت کیش کو جائز طور پر شکایت ہو سکے بلکہ ان کی حیثیتِ عرفی کے لحاظ، ان کی خصوصیات و خدمات کے اعتراف اور خود جماعت کے لیے

بھی بعض پہلوؤں سے تحسین کے کلمات اور نیک خواہشات کے اظہار میں اس درجہ کشادہ دلی سے کام لیتے ہیں کہ مودودی صاحب سے اختلافات کرنے والے بہت سے لوگوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب مودودی صاحب کے لٹریچر اور جماعت کے مضرتوں پر لوگوں کو آگاہ کرے گی یا ان کے بارے میں مضرت کے احساس کو کم کرنے کی خدمت انجام دے گی۔

اس نوعیت کی کتاب پر جماعت اسلامی پاکستان کا ترجمان "ایشیا" بیس صفحے کا ایک مضمون فیصل آباد کے ایک کیپٹن صاحب کے نام سے شائع کرتا ہے اور اس کی بسم اللہ ہی جس "شریفانہ" عنوان سے ہوتی ہے وہ ہے،

"تلبیس"

جسے کھلی اردو میں کہتے ہیں دھوکہ دہی، فریب کاری اور وسوسہ اندازی اور اسی شان کے جو فقرے مضمون میں جا بجا آئے ہیں، ادارۂ ایشیا نے ایسے فقروں کو ان کے صفحات کی پیشانی پر بخط جلی نمایاں کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے انہی نمایاں کئے ہوئے فقروں میں سے ایک وہ فقرہ ہے جسے ہم نے اس مضمون کی پیشانی پر درج کیا ہے کہ:

"وہ (مولانا علی میاں، خود ہی غور فرمائیں کہ مولانا مودودیؒ پر ان کا الزام کتنا گھٹیا اور سوقیانہ ہے" ——— "سوقیانہ" کے معنی اگر بالفرض آپ نہیں جانتے تو اس کے معنیٰ ہیں "بازاری" اور یہ لفظ گھٹیاپن اور پستیٔ اخلاق و کردار کی جس آخری سطح کے لیے بولا جاتا ہے شاید اس کی شرح کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب ذرا جلدی سے یہ بھی دیکھ لیجئے کہ مولانا علی میاں کا مولانا مودودی پر وہ کیا "الزام" تھا جس پر "گھٹیا" ہی نہیں "سوقیانہ" کی گالی چست کی گئی ہے؟

وہ الزام خود کیپٹن صاحب کے فرمانے کے مطابق مولانا ندوی کی اس عبارت میں پوشیدہ ہے۔ کہ

"ان عبارتوں بلکہ مصنّف کی پوری کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" اور ان کی بکثرت تحریروں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اور خدا کے درمیان کا اصل تعلق اور رشتہ حاکم و محکوم کا رشتہ اور رعیت و حکومت کا تعلق ہے اور اللہ کے اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ میں اصل حیثیت اس کے مقتدرِ اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کی ہے اور گویا انبیاء علیہم السلام کی بعثت، صحفِ سماوی کے نزول اور دعوت و تبلیغ کا اصل مقصد و مدعا بس خدا کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرانا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ بات خدا پر ایمان لانے اور اسلام کو قبول کرنے کا کیسا ہی لازمی نتیجہ اور اسلام کا قدرتی مطالبہ ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے مخلوقات سے تعلق اور مخلوقات کے اس کے ساتھ تعلق کا ایک جزو اور بہت محدود جزو ہے۔ کل اور عظیم کل نہیں درحقیقت خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا تعلق حاکم و محکوم اور آمر و مأمور اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف اور کہیں زیادہ نازک ہے۔"

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد کیپٹن صاحب مولانا مودودی کی کچھ عبارتیں یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کرتے ہیں کہ مولانا ندوی نے جو یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک انسان اور خدا کے درمیان رعیت و حکومت کا تعلق ہے" یہ بالکل صحیح نہیں اور ان عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"...... ندوی صاحب ذرا غور فرمائیں کہ ان کا یہ الزام کہ مولانا مودودی اللہ اور انسان کا تعلق محض حاکم و محکوم کا تعلق سمجھتے ہیں؛ کتنا گھٹیا اور سوقیانہ ہے"۔

آپ نے مولانا علی میاں کی عبارت دیکھ لی جس پر الزام کی بنیاد ہے ـــ اس عبارت میں اولاً تو "الزام" دینے کا کوئی انداز نہیں۔ ایک اظہارِ خیال ہے، ایک نتیجہ ہے جو مولانا مودودی کی عبارتوں سے "محض" حاکم و محکوم کا تعلق ظاہر ہوتا ہے بلکہ "اصل تعلق" یہ ظاہر ہوتا ہے۔ "محض" اور "اصل" ان دو لفظوں میں کوئی معمولی فرق نہیں ہے۔

لیکن مان لیجئے کہ الزام ہی دیا گیا ہے اور وہ بھی لفظِ "محض" کے ساتھ دیا گیا ہے، نہ کہ لفظ "اصل" کے ساتھ۔ اور یہ بھی مان لیجئے کہ یہ "الزام" غلط طور پر دیا گیا۔ تاہم کیا یہ کوئی ایسی بات تھی کہ "سوقیانہ" تو درکنار "گھٹیا" کا لفظ بھی اس کے لیے استعمال کرنا روا ہوتا؟ "نامنصفانہ" کہا جا سکتا تھا۔ "ناروا" کہہ سکتے تھے "غیر واقعی" کہہ سکتے تھے۔ "بے اصل" و "بے حقیقت" کہہ سکتے تھے اور علیٰ ہذا۔

جماعت اسلامی ادباء و صحافی کا مخزن ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ان میں کوئی پڑھا لکھا آدمی اس موقع و محل میں ان الفاظ کا استعمال جائز بتا سکے گا جس کسی کو اردو زبان و ادب سے تھوڑا سا مس بھی ہو گا وہ نہیں کہہ (باقی صفحہ ۱۵ پر)

ابلیس بستر مرگ پر

لعین کی آخری وصیت و ضروری اقدامات

ڈاکٹر لال دین اخگر ایم اے۔ پی، ایچ، ڈی،

ابلیس کا پایۂ تخت

جزائر کی دنیا، طوفانوں کے مہیب مناظر، خاردار جھاڑیوں سے پٹے ہوئے سواحل، غاروں اور کھوہوں سے مسدود راہیں، دن کو شب یلدا کا سماں، ساحلوں پر امواج کی طلاطم خیزیاں، شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً وحشت زا گھنگھور گھٹاؤں کے کوہسار، جن و انس کی آبادیوں سے کوسوں دور، ماحول میں دہشت کے عفریت منہ کھولے ہوئے، آدم علیہ السلام کے ہبوطِ سماء سے آج تک انسان نے ایسے دشت وجبل کی زہرہ گداز ہیئت کذائی کو اپنے تصور کی آنکھ سے بھی ہرگز نہیں دیکھا تھا۔

خواب میں اس منظر نے میرے رگ و پے میں خون کی گردش کو روک دیا مجھ پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب گردوپیش کی ہلاکت خیزیوں میں میرا وجود فنا ہو کر رہ جائیگا۔ لیکن اب میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں اڑن طشتریاں فضا میں گھومنے لگیں۔ ہر طرف قیامت کا شور وغل تھا۔ لیکن نہ زمیں پہ تھا، نہ فضا میں۔ خوف ناک آوازوں نے فضا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ میری روح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں کب تک مدہوش پڑا رہا لیکن جب آنکھ کھلی تو لاکھوں مرد و زن کا ایک مجمع نظر آیا۔ ہر فرد ایک جداگانہ تشخص کا حامل تھا۔ تمام چہروں پر پریشانی ہویدا تھی۔ اسی اثنا میں ایک نہایت بلند آواز پیدا ہوئی "بیٹھ جاؤ" "بیٹھ جاؤ" آناً فاناً تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ اس مجمع کے شرقی جانب ایک بلند چبوترہ نظر پڑا۔ اس پر ایک بہت بڑا تخت تھا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر کوئی بہت بڑے قد والا شخص محوِ استراحت ہے۔ اس کے سرہانے کے پاس چند غمزدہ افراد کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر تمام حاضرین کو مخاطب ہو کر یوں خطاب کیا۔

ساتھیو! دل تھام کر یہ وحشت ناک خبر سن لو، کہ ہمارے آقا جناب ابلیس کئی دنوں سے صاحب فراش ہیں اور اب بالکل قریب المرگ ہیں۔ آپ سب کو ان کی آخری وصیت سننے کے لیے حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے لہذا آپ نہایت توجہ اور عقیدت سے ان کے آخری ارشادات گرامی سنئے اور تازیست ان پر عمل پیرا رہیئے۔

اب ابلیس نے اپنے بستر میں کروٹ بدلی۔ سب کی نگاہیں ادھر ہی لگی ہوئی تھیں چاروں طرف سناٹا چھا ہوا تھا حاضرین کی روحیں سہمی ہوئی تھیں، سینوں میں دل دھڑک رہے تھے، بعض آنکھیں اشکبار تھیں۔ بعض لوگ بے ساختگی کے عالم میں آہیں بھر رہے تھے۔ اتنے میں لعین نے دوسری طرف کروٹ لی اور نہایت اندوہناک انداز میں ہائے ہائے کی آواز بلند ہوئی۔ اس آواز سے حاضرین میں کہرام مچ گیا، اب لاکھوں مرد و زن کی سسکیوں، آہوں اور چیخ و پکار کے سوا کچھ بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔ زمین میں زلزلہ پیدا ہوا۔ ہر چیز پر کپکپی طاری ہو گئی۔ لیکن جب ابلیس اپنے تخت پر کھڑا ہو گیا تو دوبارہ ہُو کا عالم تھا اتنے میں وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ حاضرین خاموش تھے لعین نے دوبارہ بیٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن ہائے ہائے کرتا ہوا۔ لیٹ گیا۔ کسی کا یارا نہ تھا کہ کوئی حرفِ سوال زبان پر لائے مقربین زار وقطار رونے لگے اور حاضرین بھی آہ و بکا میں مستغرق ہو گئے۔

تقریباً دس منٹ کے بعد لعین پھر بیٹھ گیا اب اس کا چہرہ بے نقاب تھا۔ ایک بڑے سر والا پیر فرتوت، چوڑا ماتھا جس پہ شکنوں کا جال تھا۔ صدیوں کی لعنت ہر طرف برس رہی تھی، پچکے ہوئے رخسار، دھنسی ہوئی آنکھیں، بھویں خود رو خشک گھاس کی مانند بکھری ہوئی، موٹے موٹے سیاہ ہونٹ، اور

ان پہ ناک کی ڈھلکی ہوئی محراب، مونچھوں اور ڈاڑھی کے پراگندہ بال، لعین کی یہ ہیئت دیکھ کر قریب تھا کہ میری روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے لیکن مقربین کی فوری خادمانہ چابکدستی نے مجھ کو اپنی طرف مبذول کر لیا۔ گاؤ تکیے تینوں طرف لگائے گئے۔ لعین کے سامنے مشروبات پیش کیے گئے چند گھونٹ نوش کر کے ازلی بدبخت نے آنکھیں کھولیں تو اُن سے انگارے برس رہے تھے۔ حاضرین ہمہ تن گوش بن کر ٹکٹکی باندھے ہوئے اس کے منحوس چہرے پر دیکھ رہے تھے۔ اب اس نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور حاضرین سے یوں مخاطب ہوا "اے میرے رفقاء کار۔ اے میرے قدیم جانبازو! اور میری وفا شعار بیٹیو! تم سب کو معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ میں ازل سے آدم اور اولاد آدم کا دشمن ہوں۔ میں نے احکم الحاکمین کے دربار میں خاک کے حقیر پتلے کو سجدہ کرنے سے مردانہ جرأت سے انکار کیا میں نے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔ خَلَقْتَنِیْ مِنَ النَّارِ وَخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ۔ کا نعرہ لگایا، مجھ کو اس جسارت کی پاداش میں زمرۂ ملائکہ سے نکالا گیا۔ میں وہ ہوں جس نے خدا کے قہار کی فَاخْرُجْ مِنْہَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ کی جگر پاش دھمکی اپنے کانوں سے سنی۔ اور پروردگار عالم کے اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ کے غضبناک الفاظ اب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ مگر کیا میری ہمت اور جذبۂ انتقام میں کوئی فرق آیا؟ کیا میں نے بزدل آدم کی طرح ذلت اور عاجزی سے گردن جھکالی؟ کیا مجھ کو وہ قاہرانہ خطاب اپنے بلند عزائم سے باز رکھ سکا؟ وہ میں ہی تھا جس نے اس ہمت شکن امتحان کے موقع پر نہایت متانت سے حاکم مطلق کے ساتھ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (اے میرے رب مجھ کو روز قیامت تک مہلت دے) کی درخواست پیش کی تھی اور جب دربارِ خداوندی سے فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ کے احکام میرے عین منشاء کے مطابق جاری ہوئے۔ تو میں نے نہایت تہورانہ اور بےباکانہ انداز میں اپنے عزائم کو واشگاف الفاظ میں یوں پیش کیا۔ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّہُمْ اَجْمَعِیْنَ (مجھ کو تیری کبریائی کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا) اور اس خوف سے کہ غضب کردگار کی بجلیاں مجھ کو بھسم نہ کر دیں۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کہہ کر اپنی مہلت کی توثیق کرائی تھی ورنہ مخلصین کا تو میں سب سے زیادہ پیچھا کرتا ہوں اور آخری دم تک اپنے آخری الفاظ کے خلاف اپنی قوتوں کو صرف کرنے کا تہیہ کیے ہوا ہوں۔

حاضرین

آقائے قدیم زندہ باد۔ عفریت آہن زندہ باد۔ تاج و تخت خصومتِ آدم زندہ باد۔

ابلیس اپنے ہاتھوں کے اشارہ سے حاضرین کے نعروں کا جواب دیکر اپنا بلیغانہ خطاب جاری رکھتا ہے۔

خدا کا پیغمبر نوح آیا اس کے آنے سے پہلے میں نے اولاد آدم کو کفر و شرک کی راہوں پر چلنا بہت آسان کر دیا تھا ساڑھے نو سو برس تک بیچارہ بوڑھا پیغمبر پتھر کھاتا رہا لیکن چند جہلا اور رذیل انسانوں کے سوا اس کی کسی نے نہ سنی بلکہ اس کا اپنا بیٹا کنعان میرا دست راست تھا آخر کار تقریباً پوری صدی کی جانکاہ تبلیغ کے بعد خدا کے حضور میں میرے ساتھیوں کی شکایت کرنے کے لیے سربسجود ہو کر کہنے لگا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔

ہائے ہائے وامصیبتا۔ واحسرتا! میں نے اپنی روحانی اولاد کو طوفانی لہروں کی لپیٹ میں غرق آب ہوتے دیکھا، وہ جانگداز منظر قیامت تک مجھ کو خون کے آنسو رلاتا رہے گا۔ لیکن میں نے بھی اس دن سے یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی اولاد میں سے وہ صاحب ہمت پیدا کروں گا جو اس طوفان کا بدلہ ہمیشہ لیتے رہیں گے، نمرود، شداد، اصحاب اخدود، فرعون اور ہامان میرے معرکہ آرائی میں سے تھے۔ ان لوگوں نے میرے دین کو اپنی مساعی جمیلہ سے فروغ دیا۔ ان میں فرعون کو میں نے اگرچہ "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہنے پر آمادہ کر لیا لیکن غرق نیل ہوتے وقت اس نے اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (سورہ یوسف آیت نمبر ۹۰) کہہ کر میری انتہا کی تذلیل کی مجھ کو اس سے دلی نفرت ہے۔

آخر میں آخر الزماں پیغمبر کی باری آئی۔ یہ خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا گیا اور تاقیام قیامت یہ اور اس کی اُمت کے علماء ربانی (علماء سوء تو میرے اپنے ہیں) میرے حریف ہیں۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اس کی قوم کو آمادہ پیکار کیا۔ تیرہ برس کی شبانہ روز تبلیغ، خدا کی پناہ، اس پیغمبر کا استقلال، اس کی مرسلانہ جرأت اور پھر میدان بدر میں اس کے

تھتے شیدائیوں کی ہمارے ساتھ معرکہ آرائی معاذاللہ لیکن اس میدان میں میرے سپہ سالار ابوجہل نے اس وفا شعاری اور عقیدت کیشی کا مظاہرہ کیا جو تمام سابقہ جیالوں سے بھی نہ ہوسکا۔ میں ابوجہل کی قبر کے ذروں کو بھی قیامت تک عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا رہوں گا وہ دم واپسیں بھی میرے مذہب پر ثابت قدم رہا۔ اپنے خونخوار قاتل کو کہنے لگا کہ "میری گردن اس طرح سے کاٹو کہ بعد کو دیکھنے والوں کو یقین ہو جائے کہ یہ کسی سردار کی گردن ہے"۔

حاضرین

ابوجہل زندہ باد۔ ہمارے آقا کے قدیم زندہ باد

مسلمانوں کے قرآن پاک میں خدا کے ساتھ میری جرأت مندانہ ہمکلامی کی داد کون نہیں دیتا؟ اس وقت میں نے احکم الحاکمین سے اپنی دشمنی کے اسباب بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے تھے۔ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ (سورہ اعراف) (کہا جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا) اور ساتھ ہی میں نے اولادِ آدم پر اپنی مکمل یلغار کا نقشہ بھی پیش کر دیا تھا۔ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ (سورہ اعراف) (اور پھر میں ان کے پاس ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے ضرور آؤں گا) اور ساتھ ہی میں اپنے کارناموں کے نتائج کی پیش گوئی بھی کر چکا ہوں جو آج تک حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوئی ہے وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گذار نہیں پائے گا)

چند باتیں اور بھی اس وقت خدا کے حضور میں ہوئیں جو آئندہ پیش کروں گا لیکن اب ربطِ داستان کے لیے سنو۔ کہ خدا نے آدم کو نہایت مشفقانہ انداز میں فرمایا :۔ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ۔ (اور اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جہاں چاہو جنت سے کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم دونوں بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے۔) میں اس وقت آتشِ انتقام سے جل اٹھا اور اس حکم کے سنتے ہی سیدھا جنت میں پہنچا وہاں آدم اور حوا کی خوشحالی کا کیا کہنا! اگر بیان کروں تو طوالت کی وجہ سے میرا مقصد فوت ہوتا ہے خیر! خدا کا یہ فیصلہ میرے لیے پہلا چیلنج تھا۔ لہٰذا پہلی ہی ملاقات میں میں نے آدم اور حوا کو نہایت ناصحانہ انداز میں کہا۔ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ۔ (تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے نہیں روکا۔ مگر اس لیے کہ کہیں تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔)

وہ میری بات کے ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تو میں نے قسم کھا کر ان کو اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا۔ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ۔ تم میری ابلہ فریبی کی ضرور داد دو گے کہ میں نے ان کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا ہی لیا فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ (پھر ان دونوں کو دھوکے سے مائل کر لیا)

اب ان کی شامتِ اعمال کا نتیجہ قرآن کا مطالعہ کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے اور اس سے زیادہ آدم اور اولادِ آدم کی کمزوری، ذلت بلکہ دناءت اور سفاہت کیا ہو سکتی ہے کہ ایسے موقعوں پر رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔ کی رٹ لگانا۔ آنسو بہانا، عجز و انکساری اور سجدوں میں گرنے شروع کر دیتے ہیں۔ میری اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے گو مجھ کو دربارِ الٰہی سے نکلنا پڑا لیکن آدم اور حوا کو بھی جنت کی جاودانی بہاروں سے محروم کر کے عالمِ ناسوت کے ریگزاروں میں محنت و مشقت میں مبتلا کیا گیا میں اب پھولا نہیں سماتا تھا۔

غور کرو۔ آدم اور حوا جب خدا اور فرشتوں کے پہرہ میں میرے حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکے تو یہ دنیا جو سراسر دارالغرور ہے اس میں مال، اولاد اور حبِّ جاہ کی دلفریبیوں میں پھنس کر کیسے ممکن ہے کہ اولادِ آدم میرے داؤ سے بچ نکلے اور بن دیکھے خدا کی عبادت کے لیے وقت نکالے۔ خیر! ہم سب کو دنیا میں بھیجا گیا اور آدم اور حوا کی حوصلہ افزائی ان الفاظ میں کی گئی۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ (پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس آئے۔ پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے) خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور

مرسلین بھیجے لِکُلِّ قَومٍ ھَاد ۔ تمام اقوامِ عالم کے پاس جداگانہ ہادی آئے۔ خدا کے پیغام لائے لیکن میری ہمت اور پامردی میں ذرہ بھر بھی تزلزل پیدا نہ ہوا۔ ڈاکٹر اقبال نے طنزاً میرے متعلق کہا ہے۔

غرق اندر رزمِ خیر و شر ہنوز
صد پیامبر دیدہ و کافر ہنوز

لیکن اس میں میرے استقلال، سعیٔ پیہم اور ان تھک یلغاروں کا پتہ چلتا ہے ہاں۔ ہاں آدم پہلا پیغمبر، لاکھوں پیغمبروں کا باوا جنت کے مقدس ماحول میں میرے ساحرانہ وار سے نہ بچ سکا تو اس کا بیٹا قابیل بیچارہ کس باغ کی مولی تھا۔ کہ میری دسترس سے نکل سکتا۔ میں نے قابیل کے دل میں آتشِ حسد کو بھڑکایا۔ ہابیل جیسے معصوم پیغمبر زادہ کو قتل کروایا اور اس دنیا میں پیغمبر کے گھرانے میں خونریزی کی یوں داغ بیل ڈالی۔

حاضرین

تالیاں، مرحبا، مرحبا۔ ایسی فتح پر ہزار بار مرحبا۔ سرخیلِ ما زندہ باد۔ استادِ کل زندہ باد۔

لعین کا چہرہ اب خوشی سے تمتما رہا تھا اس نے اپنے عقیدت کیشوں کو خاموشی کا اشارہ کیا اور اپنے گذشتہ کارناموں کو نہایت اختصار سے بیان کرتا گیا۔

بقیہ: ذرا غور فرمائیں

سکے گا کہ ان الفاظ کے استعمال کی یہاں کوئی گنجائش بلکہ کوئی تک نہیں

لیکن نہ صرف کیپٹن صاحب نے استعمال کئے بلکہ ادارہ ایشیا نے انہیں موتیوں کی طرح چن کر صفحے کی پیشانی پر سجایا۔ کیپٹن صاحب کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا کہ بیچاروں کو ایسی ہی اردو آتی ہوگی۔ مگر مولانا نصر اللہ خاں عزیز کے مسندِ نشیں، مدیران ایشیا، کے بارے میں کیونکر یہ تصور لایا جائے کہ وہ نہیں جانتے کہ لفظ "سوقیانہ" کے کیا معنٰے ہوتے ہیں اور وہ کہاں استعمال ہوتا ہے۔

. . . .

ہائے رے اللہ کے دین! تیری غربت کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے؟ جن ہاتھوں میں تیری "اقامت" کا جھنڈا ہے جن کی زبانوں پر تیری عزت و سربلندی کا کلمہ ہے اور تیرے صحیح فہم کا تو گویا جن کے نام اجارہ ہے۔ ان کے یہاں بھی زبان و قلم کے لیے تیری کوئی تعلیم ہی نہیں حفظِ مراتب کا گویا کوئی درس ہی تو نے نہ دیا تھا۔ انتقاد باہمی کی کوئی تہذیب ہی تو نے نہ سکھائی تھی اور گویا حلال کر دیا تھا کہ بنام 'اقامتِ دین' دین کے جس ادب جس تہذیب اور جس تعلیم کو چاہو پس پشت ڈالتے یا پاؤں سے روندتے چلے جاؤ۔

اے اللہ دین کی حقیقت سے نواز اور غلط پنداریوں سے نجات دے دے کہ اب تو حد ہو گئی۔

ہو علم اگر نصیب تو تعلیم بھی کر
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے گر عظمت تجھ کو
جو اہل ہیں اسکے انکی تعظیم بھی کر

(اکبر الہ آبادی)

کچھ لوگ تمنائے زر و مال میں خوش ہیں
اور بعض تماشائے خد و خال میں خوش ہیں
ا سباب ہیں سودائی یہ سب رنج و الم کے
اچھے ہیں وہی کہ ہر حال میں خوش ہیں

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی منع ہے

عبداللہ خادم

قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا انہ ھو الغفور الرحیم۔

ترجمہ: فرما دیجئے ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنے نفسوں پر کہ تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ تحقیق اللہ بخشنے والا ہے تمام گناہوں کو، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے ایک ہاتھ میں دنیا و مافیہا رکھ دی جائے اور دوسرے ہاتھ میں یہ آیت رکھ دی جائے تو میں اس آیت کے بدلے میں ان تمام چیزوں کو ٹھکرا دوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب فرعون لعین سے مقابلہ تھا تو روزانہ اللہ تعالےٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتے کہ موسیٰؑ! کل فتح تمہاری ہو گی لیکن فتح نہ ہوتی۔ ایک دن حضرت موسیٰؑ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! آپ روزانہ مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ موسیٰؑ! کل فتح تمہاری ہو گی حالانکہ فتح نہیں ہوتی۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ موسیٰ! دراصل بات یہ ہے کہ روزانہ آپ سے وعدہ کے باوجود فتح نہیں ہوتی۔

یہ فرعون جو کہتا ہے انا ربکم الاعلیٰ رات کو اپنی گردن میں رسی ڈال کر میرے دربار میں نہایت عجز و انکساری سے کہتا ہے۔ کہ اے اللہ! کہ یہ محض تیرا فضل و کرم ہے کہ میں خدائی کا دعوے کیے ہوئے ہوں، اگر تو چاہے تو آج ہی مجھے ذلیل و رسوا کر دے۔ اے اللہ! کچھ دن تو اور بھی خدائی کا دعوےٰ کرنے دے۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ موسیٰ! مجھے اس کی عاجزی اور انکساری دیکھ کر ترس آ جاتا ہے اور چلو کچھ وقت مہلت اور سہی۔ اس وجہ سے تکمیل وعدہ میں تاخیر ہو رہی ہے۔

مسلمانو! اگر فرعون بھی عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ رب العزت کے دربار میں جھک جاتا ہے تو اسے مہلت مل جاتی ہے۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں گر جائیں اور پہلے گناہوں کی معافی مانگ کر آگے گناہ نہ کرنے کا عہد کر لیں تو کیا ہمیں اللہ اپنی رحمت سے نہیں نوازیں گے؟ ضرور نوازیں گے بشرطیکہ ہم بھی خلوص نیت سے معافی مانگیں۔

فخر رسلؐ کے دور اقدس میں آقائے کلؐ کے دربار کے سامنے ایک شخص رو رہا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی اس کو دیکھ کر رونے لگ گئے۔

یہ تھا ہمدردی کا زمانہ کہ ایک شخص کو روتا دیکھ کر دوسرا شخص برداشت نہ کر سکا اور خود بھی رونے لگا لیکن ہم نام نہاد مسلمان ایک شخص کو تکلیف میں دیکھ کر ہنستے ہیں۔

خیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا کہ عمرؓ! کیوں رو رہے ہو؟

فرمایا۔ وہ شخص رو رہا تھا اس لیے میں بھی رو پڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو بلاؤ۔

وہ شخص بلایا گیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھائی! کیوں رو رہے تھے؟

اس شخص نے کہا کہ میں گنہگار، بدکار سیاہ کار ہوں۔

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا عرش بڑا ہے یا تیرا گناہ بڑا ہے؟

اس نے کہا کہ میرا گناہ بڑا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کا فرش بڑا ہے یا تیرا گناہ؟

اس نے کہا کہ میرا گناہ۔

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی کرسی بڑی ہے یا تیرا گناہ؟

اس نے جواب دیا کہ میرا گناہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت بڑی ہے یا تیرا گناہ؟

اس نے کہا کہ اللہ کی رحمت بڑی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا بتلا تیرا کون سا گناہ ہے کیا کرتا رہا ہے؟ اس شخص نے دبے دبے الفاظ میں کہنا شروع کیا کہ میری عمر سات سال کی تھی تو میں نے یہ کاروبار اپنایا تھا جو قبر تازہ دیکھتا بس اس قبر کو کھود کر کفن چُرا لے آتا تھا۔ اب میری عمر ۴۵ سال کی ہے۔ حسب عادت ایک تازہ قبر نظر آئی تو میں نے قبر کو کھود کر کفن اتار لیا۔ کفن اتارنے کے بعد ایک حسین و جمیل لڑکی نظر آئی۔ کردار بد نے مجھے برانگیختہ کیا تو میں شیطانی جذبے کی تکمیل کی حد تک پہنچ گیا۔ اس فعل نامراد کے بعد اس لڑکی میں روح آگئی۔

وہ کہنے لگی کہ بے غیرت انسان! تجھے شرم نہیں آئی کہ میں دنیا سے پاک ہو کر آئی تھی لیکن تو نے مجھے پلید کر دیا۔

او انسان! کیا میرا یہی قصور ہے کہ میں دنیا سے کپڑے پہن کر آئی تھی تو نے مجھے ننگا کر دیا۔

بس یہی بات اس لڑکی کی کہنی تھی نہ جانے میرے دل میں کیا چیز ابھری۔ اب آپ کے دربار میں حاضر ہوں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اور غصہ کی وجہ سے پیشانی سرخ ہوگئی۔ فرمایا ایسے گنہگار کی میرے دربار میں کوئی ضرورت نہیں۔ وہ شخص روتا ہوا فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے نکل کر ایک قریبی پہاڑ میں جا کر رونے لگ گیا۔ اتنا رویا کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے بھی اس شخص کے رونے کی آواز سنی۔

اللہ پاک کو اس کا رونا پسند آگیا۔ جبرئیل علیہ السلام حکم خداوندی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے۔ فرمایا أ انت خالق" کیا آپ پیدا کرنے والے ہیں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا بل اللہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے۔

هو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ اللہ ہی جیسے چاہتا ہے ماؤں کے رحموں میں شکل بناتا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ نے دوسرا سوال کیا أانت رازق؟ کیا آپ رزق دینے والے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا بل اللہ کہ اللہ تعالےٰ رزق دیتے ہیں۔ ان اللہ هو الرزاق ذو القوة المتین۔ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔

جبرئیلؑ نے فرمایا۔ ءانت هادیٌ۔ کیا آپ ہدایت دینے والے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا بل اللہ انت لا تهدی من احببت ولکن اللہ یهدی من یشاء و هو اعلم بالمهتدین۔ اللہ پاک ہی مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ کون ہدایت کے لائق ہے۔

جبرئیلؑ نے فرمایا۔ أانت توّاب؟ کیا آپ توبہ قبول کرنے والے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ جس نے پیدا کیا ہے، جو رزق دیتا ہے، جو ہدایت دیتا ہے، توبہ قبول کرنے والا بھی وہی ہے۔

تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ جس شخص کو تم نے اپنے دربار سے نکال دیا تھا اللہ تعالےٰ نے اس کی توبہ قبول فرما لی ہے۔ جاؤ پیغمبر! اللہ کا یہ حکم ہے کہ اس کو خوشخبری خود جا کر دو۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم خداوندی کو بجا لاتے ہوئے وہاں پہنچے اور اس شخص کو خوشخبری دی۔ کہ اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرما لی ہے۔

تو اس شخص کے منہ سے بآواز بلند اللہ کا لفظ نکلا۔ اور وہ عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گیا۔ حکم خداوندی کو لبیک کہہ کر چل بسا۔

وہ اتنا گنہگار ہو کر بھی اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوا اور وہ خلوص نیت سے اللہ تعالےٰ کے دربار میں جھک گیا۔ اللہ پاک نے اس کو معاف کر دیا۔

سُنّت کی پیروی

حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

فضیلت سنت کی تابعداری کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور بزرگی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کے وقت سونا، جو اس سنت کی پیروی میں واقع ہو، وہ ان کروڑوں شب بیداریوں سے اولیٰ و افضل ہے۔ جو سنت کی متابعت میں نہ ہوں۔ اور اسی طرح عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھنا، جس طرح کہ شریعت مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، وہ ان دائمی روزوں سے بہتر ہے، جو شریعت کے مطابق نہ ہوں۔ اسی طرح ایک "جیتل" (اس وقت کے رائج سکے) کا شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق دینا اپنی مرضی سے (شرعی حکم کے سوا) سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہے۔

(لہٰذا) حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز نمازِ صبح باجماعت ادا فرما کر حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف نگاہ فرمائی۔ ان میں سے ایک اصحابیؓ کو جماعت میں حاضر نہ پایا۔ اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ وہ ساری رات کو زندہ رکھتے ہیں (یعنی رات بھر نفلی عبادات کرتے ہیں) ممکن ہے کہ اس وقت وہ سو گئے ہوں۔ حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ اگر وہ ساری رات سویا رہتا۔ اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرتا، تو یہ بہتر تھا۔

اہلِ ضلالت (گمراہوں) نے بہت ریاضتیں اور مجاہدے کئے ہیں۔ کیونکہ وہ شریعت حقانی کے موافق نہیں ہیں۔ اس لئے وہ بے اعتبار و خوار ہیں۔ اگر ان اعمال سے کچھ اجر مترتب بھی ہو تو وہ بعض دنیاوی منافع تک محدود ہے۔ اور تمام دنیا کیا ہے؟ (کچھ بھی نہیں۔ اس لئے) اس کے کسی بھی نفع کا کوئی کیا اعتبار کرے۔ ان گمراہوں کی مثال خاکروبوں (جھاڑو دینے والوں) کی سی ہے۔ جن کا کام بڑا کٹھن اور اُجرت سب سے کم ہے۔ (اس کے برعکس) شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے۔ جو نفیس زیوروں میں قیمتی ہیرے جڑنے کا کام کرتے ہیں۔ ان کا کام نہایت تھوڑا ہے، مگر ان کی مزدوری بہت زیادہ ہے۔ اور ایک گھڑی کا کام اجر میں ایک لاکھ کے برابر ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ جو عمل شرعی احکام کے مطابق کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ (اور شریعت کی پابندی کئے۔ بغیر) اس کے خلاف جو عمل کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے ثواب کی امید کہاں ہے؟ بلکہ اس سے تو الٹا عذاب کی توقع ہے۔ یہ بات اِس جہان میں واضح طور پر دیکھی جاتی ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے حقیقت کھل جاتی ہے۔ ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

(یعنی دل کا مریض اپنے قلبی فساد کے باعث اچھی بات خراب بنا دے گا۔ اور کامل جس کا قلب سلیم ہے۔ وہ فاسد بات کو بھی دین کے مطابق درست کرلے گا۔ حاصل کلام صحبت ناقص سے بندہ ناقص بنتا ہے۔ اور صحبتِ کامل کفر کو دین میں بدل دیتی ہے)۔

لہٰذا سب سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور سب فسادوں کی بنیاد شریعت کے برخلاف چلنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ثابت قدم رکھے۔

(از مکتوب ۱۱۴ — دفتر اول)

امام ولی اللہؒ کی حکمت کا مرتبہ

یہ طالب علم انگریزی کے ذریعہ جب براہ راست یورپ کی نئی تحریک یعنی اس کے سوشلسٹ پروگرام کی تاریخ اور اس کی کامیابی کے حالات سے واقف ہوگا۔ تو اس وقت جا کر کہیں اس پر یہ حقیقت واضح ہو سکے گی کہ ،

امام ولی اللہؒ کی حکمت جس پر ان کی کتابوں "حجۃ اللہ البالغہ" اور "ازالۃ الخفا" کا مدار اور اساس ہے۔ اور جس حکمت کے ذریعے وہ قرآن مجید، صحاح ستّہ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب اور محققین علماء کی سیاست کو حل کرتے ہیں۔ وہ ولی اللّٰہی حکمت آج بھی یورپ کی اس انقلابی تحریک سے مقدم اور بلند ہے۔ اور میں جو یہ کہتا ہوں کہ آج کے یورپ کو سمجھے بغیر حضرت امام ولی اللہ کی حکمت کا مرتبہ پہچاننا ناممکن ہے سو اس کا مطلب بھی یہی ہے۔

(خطبات مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۵۲)

غزل

لُٹ گئی ہے مصر کے بازار میں
وہ زلیخا، جس کا غیرت نام ہے

ایک غیرت ہی نہیں ہے اپنے پاس
ورنہ دولت اور حشمت عام ہے

دل صنم خانے کی تصویروں میں گُم
زیبِ تن گو جامۂ احرام ہے

لفظ کو معنی نئے پہنا دئے
رقصِ بسمل کا ثقافت نام ہے

رکھ دیا قہرِ خداوندی کا نام
یار لوگوں نے کہ یہ انعام ہے

ذہن میں ہے مصلحت کی پرورش
دل رہینِ دولتِ اوہام ہے

مطربِ نغمہ سرا ہے سامنے
اور بغل میں ساقیٔ گلفام ہے

جذبۂ اسلاف کے ہیں ہم امیں
ہاتھ میں اپنے چھلکتا جام ہے

اپنی وحدت کو کیا تقسیم خود
پھر بھی لب پر نعرۂ اسلام ہے

کیوں نہیں پھرتے ہیں اس مِلّت کے دن؟
رُک گئی کیوں گردشِ ایّام ہے

جس کو انجامِ وفا سمجھے ہو تم
یہ تو ہے آغاز، کب انجام ہے

اپنی منزل آن پہنچی ہے قریب
قعرِ ذلّت اب فقط دو گام ہے

شاعرانِ شہر سے جا کر کہو
شاعری آزادؔ کی الہام ہے

حکیم آزادؔ شیرازی مدیر تذکرہ لاہور

محمد عزیز الرحمان خورشید

امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن خطاب ہوتے (فرمانِ نبویؐ)

واللہ کہ اس دنیا میں سوائے اس کفن پوش کے آج کوئی شخص ایسا نہیں جس کے نامہ اعمال پر مجھے رشک آجائے (حضرت علیؓ)

آج کیوں قیصر و کسریٰ اور مصر و شام کے فاتح کی شہادت واقع ہوئی۔ وہ فاتح کوئی معمولی حیثیت کا انسان نہ تھا بلکہ مرادِ رسول اور وقت کا مدبر اور مفکر تھا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو کفر ان سے کانپتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں جا کر حضور علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ اور قریش کے مشہور قبیلہ "بنو عدی" سے تعلق رکھتے تھے آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا۔

آپ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اس وقت آپ کی عمر ستائیس برس کی تھی

آپ دور جہالت میں اپنے تدبر اور سیاست کی وجہ سے مختلف قبائل کے پاس سفیر بن کر گفتگو کے لیے جاتے تھے اور زمانہ اسلام میں بھی آپ کو نبی اکرمؐ نے ہر مشورہ میں شریک رہے۔ زمانہ خلافت میں۔ آپ نے جب شام اور عراق وغیرہ کے سفر اختیار کرتے تو دار الخلافہ میں حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام امیر بنا کر جاتے نبی اکرمؐ نے آپ کی ہدایت کے لیے خاص دعا فرمائی اور آپ کے اسلام لانے کو اسلام کی عزت قرار دیا۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ ایک دن کفار نے اعلان کیا کہ جو شخص حضورؐ کا کام تمام کرے گا اس کو سو اونٹ عربی نسل کے انعام میں ملیں گے فاروق اعظمؓ تیار ہو کر چل پڑے لیکن آغوشِ رحمت میں پہنچ کر اپنے کفر کا ہی قصہ تمام کر بیٹھے۔ ع

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

قرآن کریم کی اکیس آیات (حکم پردہ وغیرہ) آپ کی الہامی رائے کے مطابق نازل ہوئیں۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپ نے اس مذہب حقہ کے لیے بے بہا مالی اور جانی قربانیاں دیں۔ اپنی ساری زندگی اس مقدس مشن کو پھیلانے میں گذاری۔ بلا مبالغہ جتنی فتوحات آپ کے زمانہ میں ہوئیں ان کی نظیر کسی اور دور میں ملنی مشکل ہے ایک روایت کے مطابق بائیس لاکھ پچاس ہزار تیس مربع میل علاقہ آپ نے فتح کیا۔ اور بتیس لاکھ مربع میل پر حکمرانی کی ان فتوحات کے ساتھ ساتھ آپ نے بہت سی اصلاحات کیں مرکز کو صوبوں میں اور صوبوں کو ضلعوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے اپنی مملکت کو مندرجہ ذیل صوبوں میں تقسیم کیا۔ کوفہ، بصرہ، شام، جزیرہ، موصل، مصر، یمن، بحرین، ہر ضلع میں عدالتیں مقرر کیں اور ان کے لیے قاضی مقرر کئے اور قاضیوں کو حکم دیا کہ خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضورؐ میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔ اور رو داد کر تمہاری رعایت کی امید نہ ہو" اور آپ نے

دعا کی نصرتیں شامل تھیں اقرارِ رسالت میں
عمر اس شان سے آتے ہیں دربارِ رسالتؐ میں
ہزاروں بانکپن تھے اس فدا کارِ رسالت میں
وہ عالم یاد آتے ہیں وہ تیور یاد آتے ہیں

حکم دیا کہ مقدمہ کی پیشی کے لیے ایک تاریخ مقرر کرو اور گواہی لو اگر گواہ نہ ہو تو مدعا علیہ سے قسم لو اور اپنے فیصلوں کو کتاب و سنت کے مطابق کرو۔ آپ نے تمام صوبوں کے والیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ عدالت کے کام میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں آپ چاہتے تھے کہ عدلیہ مطلقاً آزاد ہو اور جج عدالت کے معاملہ میں کتاب و سنت کے علاوہ کسی کا دبدبہ قبول نہ کریں۔ آپ نے بڑھتی ہوئی آبادی کے پیشِ نظر بہت سارے نئے شہر آباد کئے ان میں لوگوں کو آباد کر کے ہر قسم کی سہولتیں ان کو بہم پہنچائیں۔ آپ نے اپنے دور میں مختلف شہروں اور راستوں میں چھوٹی بڑی چار ہزار مساجد تعمیر کرائیں اور ۱۵ھ میں مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے ایک بہت بڑا مکان مدینہ منورہ میں بیت المال کے لیے خریدا اور اس میں خزانہ رکھا۔ اسی طرح تمام صوبوں میں خزانہ کی شاخیں قائم کیں۔ اس کے حساب کے لیے باقاعدہ رجسٹر بنوائے اور اس وقت تک کوئی مستقل سنہ مقرر نہ تھا آپ نے ۱۶ھ میں سن ہجری کی باقاعدہ بنیاد رکھی جو آج تک جاری ہے سال کے بعد جو کچھ تمام صوبوں کے خزانوں میں بچتا تھا وہ مرکز میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن ارقم کو مرکزی خزانہ کا افسر مقرر کیا اور ان کے ماتحت اور آدمی مقرر کئے۔ ایک دیوان خاص بنوایا جس میں ہر قسم کے پرائیویٹ کاغذات فوج اور سول کے رکھے جاتے تھے۔ مجرموں کو پکڑنے کے لیے پولیس کا محکمہ مقرر کیا جس کو "احداث" کہا جاتا تھا اور افسرِ اعلیٰ کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا۔ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو خصوصیت کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے اور دوسرے افسر آپ کے تحت مقرر ہوئے مجرموں کو سزائیں دینے کے لیے آپ نے جیل خانوں کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں چار ہزار درہم کے عوض ایک مکان خریدا اور جیل خانہ بنوایا اور پھر تمام اضلاع میں جیل خانے بنوائے اس کے علاوہ آپ نے مہمان خانے بنوائے جو نہایت مضبوط اور پرشکوہ کے علاوہ سادگی کا منظر پیش کرتے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو ان میں ٹھہرایا جاتا تھا سڑکیں اور پلیں بنوائیں جو نہایت مضبوط اور عمدہ تعمیر کی جاتی تھیں جگہ جگہ سرائیں اور چوکیاں قائم کیں، پانی کا انتظام کیا خصوصاً حجاج کی تکالیف کے پیشِ نظر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان سرائیں اور مساجد بنوائیں اور پانی کے انتظامات کئے۔ آپ نے ۲۰ھ میں اپنے ملک کے فوجی نظام کو درست کیا۔ اور مندرجہ ذیل فوجی مرکز بنائے۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، علاوہ ازیں فوجیوں کی رہائش کے لیے جگہ جگہ بارکیں بنوائیں۔ فوج کے مستقل دفاتر قائم کئے ان میں فوج کے ہر قسم کے کاغذات رکھے جاتے تھے اہم جگہوں پر چھاؤنیاں تعمیر کرائیں اور تقریباً دس لاکھ افراد ہتھیار بند تیار رہتے تھے۔ اور ابن سعد کی روایت کے مطابق ہر سال بیس ہزار نئی فوج تیار کی جاتی تھی۔ فوجی بھرتی کے دفاتر تمام علاقوں میں بنوائے اور مردم شماری کے رجسٹر تیار کئے۔ ہر نوجوان کے لیے فوجی تربیت لازمی قرار دی۔ فوج میں عربوں کے علاوہ رومی ایرانی ہندی سب شامل تھے خزانہ سے مجاہدین کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ مجاہدین کے بچوں کے وظائف بھی مقرر تھے، اس کا مستقل محکمہ مقرر کیا۔ جو مجاہدین صاحب استطاعت ہوتے تھے ان کو گھوڑے کا انتظام خود کرنا ہوتا تھا البتہ کم مایہ والوں کے لیے گھوڑے کا انتظام حکومت کی طرف سے تھا۔ ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل بنوائے اور ان میں بیک وقت چار ہزار گھوڑے ساز و سامان سے تیار موجود رہتے تھے مدینہ کا انتظام فاروق اعظم نے اپنے پاس رکھا۔ مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر چراگاہ بنوائی اور اس کی نگرانی اپنے غلام کے ذمہ لگائی۔ دوسری جگہوں میں بھی سرکاری طور پر چراگاہیں بنوائیں، یہ چراگاہیں فقط جہاد کے گھوڑوں کے لیے وقف تھیں۔ گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے "جیش فی سبیل اللہ" کے الفاظ لکھے جاتے تھے۔ مجاہدین کی صحت کا خاص خیال کرتے تھے۔ فوج کو گرمیوں میں سرد ملکوں میں اور سردیوں میں گرم ملکوں میں روانہ کرتے تھے موسم بہار میں افواج کو ان مقامات پر بھیجا جاتا تھا جہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہوتی تھی افواج کو یہ حکم تھا کہ سفر کی حالت میں جمعہ کے روز قیام کریں اور ایک دن رات اس قیام کی مدت رکھی۔ چار مہینے گزرنے پر فوجیوں کو رخصت دیتے تھے، آرام طلبی، عیش پرستی، سے بچنے کے لیے سخت بندش تھی۔ ہر دستے کے ساتھ افسر خزانہ ایک محاسب، قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں طبیب اور جراح بھی ہر دستے میں مقرر کئے۔ ہر سپاہی کو اپنے پاس ضرورت کا سامان رکھنا ضروری

تھا۔ فوج کے لیے راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا پل وغیرہ بنانے کا بھی معقول انتظام تھا۔ دشمنوں کے حالات پتہ کرنے کے لیے جاسوسی کا محکمہ بھی مقرر کیا۔ ہر دستہ کے ساتھ ایک پرچہ نویس ہوتا تھا جو ان کی نقل و حرکت تحریر کرکے فاروق اعظم کے دربار میں پیش کرتا تھا۔ آج اس ہستی کو دنیا سے رخصت ہوئے بارہ صدیاں گذر گئیں لیکن دنیا کا فوجی نظام ان کے نظام کے مطابق چل رہا ہے۔ اور اس طرح مکمل نظام کہ اس دور میں بھی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ آپ نے قرآن کریم اور حدیثِ نبویؐ کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی بڑے بڑے شہروں سے لے کر قصبات تک مکتب قائم کئے۔ بہترین قاریوں کا انتظام کیا فوج میں بھی قرا کو بھیجا تاکہ تمام فوجی تعلیم قرآن سے بہرہ ور ہوسکیں۔ آپ کے قائم کردہ مکاتیب میں پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق کی جامع مسجد میں مقرر کیا۔ ان کے حلقۂ درس میں سولہ سو طالب علم موجود رہتے تھے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہیں حفاظ کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ صرف سعد بن وقاصؓ کے دستہ میں تین سو حفاظ تھے جملہ حفاظ اور موذنین وغیرہ کی تنخواہیں مقرر کیں۔ مملکت کے بارے میں داخلی اور خارجی مسائل کو حل کرنے کے لیے آپ مجلس شوریٰ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور پوری بحث کے بعد فیصلہ کرکے حکم صادر کرتے تھے۔ اتنا بڑا فاتح، اتنا بڑا مدبر و مفکر اور منتظم ہونے کے باوجود ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کریں۔ پیشے کے لحاظ سے آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا جب خلافت آپ کے سپرد کی گئی تو مصروفیات کی زیادتی کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا۔ اراکین شوریٰ نے یہ حالت دیکھ کر بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ لیکن اس زہد و غنا کے پتلے نے ضرورت کے مطابق چند درہم بیت المال سے لیے۔

قیصر و کسریٰ کا فاتح ہونے کے باوجود جسم پر پیوند شدہ کپڑے ہوتے تھے ایک روایت کے مطابق آپ کے کرتہ پر بیک وقت بارہ پیوند تھے۔ اولی العزم صحابہؓ نے عرض کی اب خدا نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے آپ کے پاس غیر ممالک سے سفیر اور رئیس آتے ہیں۔ آپ اپنے لباس میں کچھ تغیر کریں آپ نے فرمایا کہ نئے کپڑے میرے نفس کو تکبر میں مبتلا کر دیتے ہیں اس سے نیکیوں کے زائل ہونے کا خطرہ ہے لباس کے بارے میں ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ آپ کے پاس مختلف وفود اور سفیر آتے ہیں اور اس لباس کے ساتھ آپ ان سے ملاقات کرتے ہیں یہ آپ کی شوکت کے خلاف ہے آپ نے جواب دیا کہ افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو — عائشہؓ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت بھول گئی کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن کے وقت بچھاتے تھے اور رات کے وقت اوڑھتے تھے۔ حفصہؓ تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دہرا کرکے بچھا دیا تھا اس کی نرمی کے باعث رسول اللہؐ رات بھر سوتے رہے۔ بلالؓ نے آذان دی تو آنکھ کھلی اور آپ نے رنج کا اظہار فرمایا، اور اس قسم کے متعدد واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا اتنا احساس تھا کہ رات کو جب دنیا ٹھنڈی نیند سو رہی ہوتی تھی تو آپ شہر کی گلیوں میں گشت کرکے پتہ کرتے کہ میری رعایا کس حال میں ہے۔ دوران گشت اگر کسی گھر سے رونے کی آواز آتی تو فوراً اس رونے کی وجہ پتہ کرکے اس کا تدارک کرتے۔ کھانے پینے کی چیزیں اس گھر میں پہنچاتے اور اس دوران خلیفہ ہونے کا اظہار نہ کرتے اور یہ گشت صرف مدینہ کی گلی کوچوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ مدینہ کے گرد و نواح کے رہنے والوں کی خبر گیری بھی کرتے تھے۔ دن کے وقت مملکت کے کاموں سے کچھ وقت نکال کر مدینہ منورہ کے معذور لوگوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ شہداء کی بیواؤں کے گھروں سے سودا وغیرہ پتہ کرکے خود بازار تشریف لیجاتے اور خرید کر لا دیتے تھے آپ کی اجتماعی اور انفرادی زندگی قابل رشک ہے۔

قدرت نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا منتظم اور مفکر بنایا۔ آپ نے امانت و دیانت میں کمال درجہ حاصل کیا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے فرمایا۔ امیرالمومنین آپ نے دیانت و امانت اختیار کی تو آپ کی رعیت نے بھی امانت و دیانت اختیار کی۔ افسوس کہ اتنی بڑی شخصیت کے بھی خون کے پیاسے دنیا میں موجود تھے یکم محرم الحرام ۲۴ھ بروز ہفتہ آپ پر خنجروں کے پے در پے وار کرکے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ نے دس برس چھ ماہ تک خلافت کے فرائض سرانجام دیئے۔ شہادت کے وقت آپکی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔

حضرت مولانا خیر محمدؒ و مولانا احتشام الحق تھانوی

رحمہما اللہ تعالیٰ

افادات: مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری مدظلہ العالی

خدائے بزرگ و برتر نے دارالقرار عالم آخرت کو بنایا ہے۔ اس دارِ فانی میں کچھ وقت کے لئے آنا عالمِ آخرت کے دو گروہوں میں سے کسی ایک کا ساتھی بننے کے لئے ہے۔ چونکہ اصل دار البقاء وہی جہاں ہے اس لئے اس عالم میں آنے والا ہر انسان خواہ وہ اپنے خداداد مرتبہ کی بناء پر کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو بالآخر اپنے اصلی گھر کی طرف لوٹنے والا ہے۔ زہے نصیب وہ افراد جنہوں نے دنیا کی اس بے ثباتی و ناپائیداری کو جانا اور کن فی الدنیا غریباً او عابر سبیل کی عملی تصویر بن کر زندگی گذار گئے۔ دنیا کی خیرہ کن چکا چوند اور جھوٹی چمک دمک انہیں اپنے آپ پر فریفتہ کرنے میں ناکام رہی اور وہ دنیا سے زبان کی طرح بتیس دانتوں کے درمیان ہونے کے باوجود صحیح سالم اور محفوظ رہے۔ دورِ حاضر میں اپنی قسم کے یکتائے زمانہ افراد میں والد بزرگوار حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا شمار ہوتا تھا۔ اب حال ہی میں مولانا تھانوی مرحوم کے سانحۂ وفات نے ایک دفعہ پھر ان بزرگوں کی جدائی کے غم کو تازہ کر دیا ہے — آہ — کبھی وہ وقت ہوتا تھا کہ خیر المدارس کے سٹیج پر ایسی عظیم ہستیوں کا اجتماع ہوتا تھا جن میں ہر ایک اپنی نظیر آپ تھا — ان بزرگوں میں مختلف الخیال ہستیاں بھی موجود ہوتیں۔ اُسی سٹیج پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسا سیاسی خطیب پانچ پانچ گھنٹے بولتا اور اسی جگہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی دامت برکاتہم جیسی علمی و مذہبی شخصیت کا خطاب ہوتا۔ اگر ایک طرف اس سٹیج پر حضرت مدنی رحمہ اللہ نظر آ رہے ہیں تو دوسری جانب شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ رونق افروز ہیں — خیر المدارس کا سٹیج مسلک دیوبند سے وابستہ ہر شخص کا سٹیج تھا اگرچہ وہ سیاسی طور پر کوئی سی بھی رائے رکھتا ہو۔ حال ہی میں بے پناہ سیاسی بُعد و کشیدگی کے باوجود خیر المدارس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہٗ، مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ، مولانا مفتی محمود صاحبؒ وغیرہم حضرات اکٹھے نظر آتے تھے۔

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مرحوم حضرت والد صاحب سے مسلکاً ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ "خزینۂ طریقت" کے خوشہ چیں ہونے میں بھی ساتھی تھے۔ مولانا تھانوی مرحوم کا تعلق اگرچہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ نیازمندانہ اور عقیدتمندانہ تھا اور مولانا مرحوم حضرتؒ کو اپنا بزرگ اور مشفق مربّی سمجھتے تھے۔ لیکن احترام و اکرام کے لحاظ سے حضرت والد صاحبؒ مولانا مرحوم کا دیگر اکابر علماء کی طرح خیال فرماتے تھے۔ خیر المدارس اور دیگر

(باقی ۲۶ پر)

تذکارِ صحابیات رض

از : طالب ہاشمی صاحب
قیمت : ۴۵/۰ روپے
ناشر : ادارہ الحسنات ملتان روڈ لاہور

محترم طالب ہاشمی صاحب کی کئی کتابوں پر اس سے قبل ان صفحات پر تبصرہ ہو چکا ہے۔ "سرکاری ملازم" ہونے کے باوجود انہیں تصنیف و تالیف کا جو ستھرا ذوق نصیب ہوا ہے اسے اللہ تعالیٰ کا کرم خصوصی ہی کہا جا سکتا ہے۔

موصوف جتنے بڑے لکھاڑ ہیں اگر وہ افسانوں اور جاسوسی ادب کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے تو یقیناً وہ آج ملک کے "دانشوروں" میں شمار ہوتے اور زندگی کی جملہ سہولتیں انہیں حاصل ہوتیں لیکن انہوں نے شانِ درویشی کو قائم رکھتے ہوئے اس "ادب" کو اپنی زندگی کا محور بنایا جسے بامقصد ادب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

موصوف نے تاریخ اسلام کی ان شخصیات پر قلم اٹھایا ہے جو بلاشبہ ہماری عظیم متاع ہیں اور جن پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے ـــــ ان کی ان سے قبل کی متعدد تصانیف اسی قسم کی شخصیات کے گرد گھومتی ہیں۔ اور زیر تبصرہ کتاب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کی فیض یافتہ ۲۱۹ خواتین کا مبارک و مسعود تذکرہ ہے جنہیں شرف صحابیت حاصل ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ سرکارِ دو عالم ؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو چار سو اندھیرا تھا آپ نے دعوت الی اللہ کا کام جس پیغمبرانہ استقامت سے کیا آپ کے بدترین دشمن بھی اس کے معترف ہیں۔ اس کے نتیجہ میں جو جماعت تیار ہوئی اس کی تعریف خود خدائے بزرگ نے کی اور اسلام کے بدترین دشمنوں نے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا ـــــ ان شخصیات میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مرد ہیں تو خواتین بھی بے شمار ہیں جنہوں نے اسلام کی سربلندی اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں۔ ان باہمت مردوں کی سیرت سوانح پر اردو زبان میں متعدد کتابیں موجود ہیں لیکن ان قابل قدر خواتین سے گنتی کی دو ایک کتابیں تھیں وہ بھی بڑی مختصر۔

موصوف نے قرآن و حدیث کے بحر مواج کے علاوہ تاریخ و تذکرہ کے عظیم ذخیروں کو کھنگال کر اس قسم کی ۲۱۹ خواتین کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے۔ جس کے پانچسو چھیالیس صفحات ہیں۔ ان میں بعض خواتین کا تذکرہ مفصل اور بعض کا بدیں وجہ مختصر ہے کہ قدیم ماخذ اتنا ہی مواد مہیا کر سکے ہیں لیکن یہ اختصار بھی ایسا ہے کہ ان عظیم القدر خواتین کی عظمت کا اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔

بے راہروی کے اس دور میں جبکہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی بہت باتیں ہو رہی ہیں اس قسم کا لٹریچر کئی وجہ سے ہماری شدید ضرورت ہے۔ جن میں ایک یہ ہے کہ ہم اس طرح ان مثالی شخصیات کے کردار سے واقف ہو سکیں گے جنہوں نے خون جگر سے اسلام کی مشعل روشن کی۔ نیز مسلمان احیاء اسلام کے معاملہ میں جتنے سرگرم ہیں گو قولاً ہی سہی اسی تناسب بلکہ اس سے کہیں

زیادہ ان کے دشمن سرگرم عمل ہیں اور وہ خاص طور پر صلحائے اوّل کے بلند کردار مسلمانوں کی کردار کشی کے معاملہ میں تمام اخلاقی حدود پھلانگ رہے ہیں تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ جس اسلام کا بہت شور ہے اس کے ابتدائی تربیت یافتہ ایسے تھے (معاذ اللہ)۔

ہمیں امید ہے کہ ذی شعور اور حساس مسلمان اس قسم کے درویش صفت مصنفین کی بھرپور حوصلہ افزائی کرینگے تاکہ وہ ملک و ملّت کی مزید خدمت کر سکیں۔

اس خوبصورت کتاب کی اشاعت پر ہم فاضل مصنّف اور ناشران و معاونین کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

تسبیح فاطمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تالیف : علامہ فضل احمد عارف

ملنے کا پتہ : ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

آج ساری دنیا سکون دل کی دولت سرمدی سے محروم ہو کر بیقراری و اضطراب کی زندگی گذار رہی ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ جو چیزیں اس درماندگی کا باعث ہیں۔ انھی چیزوں کو درد کا درمان سمجھ کر اندھے کی لاٹھی گھمائی جا رہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ عقل کے ناخن لے کر اپنے دکھ درد کے مداوا کے لیے اس نسخہ شافی کی طرف رجوع کرے جس کو انسانیت کے خالق نے اپنے آخری رسول علیہ السلام کے توسط سے بھیجا وہ نسخہ "ذکر الٰہی" کا ہے جس کی تعبیر و ترجمانی سرور کائنات علیہ السلام نے ایک طبیب حاذق کی طرح مختلف اوقات میں مختلف انداز میں فرمائی۔ تاہم بعض تعبیرات ایسی ہیں جو ہر کسی کے لئے ہر وقت سود مند اور نفع بخش ہیں انھی میں ایک "تسبیح فاطمہ" ہے جسے سرکار دو عالمؐ نے اپنی نورِ نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو تعلیم فرمایا —— علامہ فضل احمد عارف نے تفسیر و حدیث، تاریخ و سیر، تصوف و طریقت اور لغت کی ۶۱ چھوٹی بڑی کتابوں کے مطالعہ کے بعد جو گلدستہ تیار کیا ہے اس کی مثال اردو لٹریچر میں موجود نہیں۔

موصوف نے تسبیح فاطمہ پر تفصیلی گفتگو کے علاوہ مطلق تسبیح کی حقیقت و ماہیت، کلمات تسبیح اور ان کے فضائل اور متعدد دوسرے عنوانات پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی ہے —— مادیت زدہ دنیا کے لئے یہ بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اہل دل اس کی قدر کریں گے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی طرف توجّہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مصنّف علام اور ناشر کو بہترین جزا دے۔

کلمہ طیّبہ مع فلسفہ نماز

تصنیف : مولانا سید فردوس شاہ صاحب

قیمت : ۶/- روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ نذیریہ، منیر شہید روڈ اچھرہ، لاہور

قصور کے نامور عالم دین اور صاحب درس و تصنیف بزرگ مولانا سید فردوس شاہ صاحب زید مجدہم کا زیر تبصرہ رسالہ بڑی معرکہ کی چیز ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ کلمہ طیبہ دین اسلام کی بنیاد ہے۔ لیکن بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اس کے حقیقی معانی و مفہوم کو چھوڑ کر صحیح الفاظ تک سے واقف نہیں۔ صحت الفاظ کے ساتھ حقیقی معانی و مفہوم سے اگر آگاہی ہو جاتے تو ملّت جن متعدد فکری اور اعتقادی گمراہیوں کا شکار ہو رہی ہے اس سے محفوظ ہو جائیگی

شاہ صاحب نے اسی جذبہ صادقہ کے پیش نظر یہ رسالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ آپ کی تحریر میں نرالا پن ہے اور موجودہ بدعت کی گرم بازاری میں آپ اس فتنہ کی

اتنی مؤثر اور دلنشیں انداز سے تردید
فرماتے ہیں وہ آپ ہی کا حصّہ
ہے۔ جن حضرات نے مصنف علام
کی کتاب "چراغ سنت" پڑھی ہے
وہ آپ کے انداز نگارش سے
واقف ہوں گے۔ (اور جنہوں نے
نہیں پڑھی ان کو ہم توجہ دلائیں گے
کہ اسی پتہ سے وہ کتاب ضرور
حاصل کریں) کلمہ طیبہ کی حقیقت
ذکر فرمانے کے بعد شاہ صاحب نے
نماز جیسے اہم ترین فرض کا فلسفہ
ذکر فرمایا ہے۔

قارئین جانتے ہیں کہ نماز
اہم العبادات ہے اور صبح محشر میں
سب سے پہلے اسی کا سوال ہوگا۔
بدقسمتی سے مسلمانوں کی بڑی تعداد اس
فرض سے آج غافل ہے اور نہیں
جانتی کہ دنیا اور عقبیٰ میں اس کے
فوائد کیا ہیں؟ اور عدم ادائیگی کے
نقصانات کیا ہیں؟

رسالہ کا پیش لفظ حضرت
مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ
کا تحریر کردہ ہے جو بجائے خود
ایک مستقل مقالہ ہے۔ ہماری دعا ہے
کہ اللہ تعالےٰ اس رسالہ کو ملت
کے لئے نافع بنائے اور مصنف
علام نیز ناشر کو بہترین جزا دے۔
جو دینی لٹریچر کی اس کساد بازاری
کے اس دور میں بھی عزم و ہمت
سے سرگرم عمل ہیں۔

بقیہ: مولانا خیر محمد ....

اجتماعات پر دعوت دیتے وقت کبھی
کبھی مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ "دولھا"
نہ ہو تو برات کیسے سجے گی — ؟
حضرتؒ کے ان الفاظ میں قطعاً
مبالغہ آرائی نہ تھی واقعی مولانا مرحوم
علماء کی جماعت میں دولھا کی طرح
ممتاز و منفرد دکھائی دیتے تھے۔
ایک دفعہ جلسہ کے موقع پر میری
والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا حضرت
والد صاحب رحمہ اللہ نے نماز جنازہ
کے لئے مولانا مرحوم کو ارشاد فرمایا
جبکہ دیگر اکابر اور مولانا سید سلیمان
ندویؒ وغیرہم موجود تھے۔ مولانا تھانوی
مرحوم نے سید صاحب کے بارے میں
فرمایا کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں۔
اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا
کہ اگرچہ سید صاحبؒ بڑے ہیں
لیکن آپ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ
علیہ کی طرف نسبت ہے — اس
نسبت کی بناء پر میں نے آپ کو
کہا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کا اشارہ
مولانا مرحوم کے حضرت تھانویؒ کے
ساتھ روحانی و نسبتی تعلق کی طرف
تھا۔ حضرت والد صاحبؒ اس نسبت
کا بے حد احترام و لحاظ فرماتے تھے۔
خیر المدارس کے سٹیج پر تقریر
ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے —
مولانا تھانوی مرحوم کا شمار ان بزرگوں
میں ہوتا تھا جن کی تقریر حضرت والد
صاحب خود سٹیج پر تشریف فرما
ہو کر سماعت فرماتے تھے۔ خیر المدارس
کے جلسہ کے اشتہارات میں "القابات"
لکھنے میں انتہائی حزم و احتیاط سے
کام لیا جاتا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ
ہر شخصیت کے بارے میں حقیقی الفاظ
استعمال فرماتے تھے۔ "خطیب پاکستان"
کا لقب مولانا تھانوی مرحوم کے لیے
مخصوص تھا اس سے ان کی خطابت
کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا
مرحوم کو اعلیٰ علیین میں اپنے مقبول
بندوں کے ساتھ جگہ دیں اور ہم خدام
کو بھی ان کی طرح دین پر استقامت
اور اس کی خدمت کے لئے قبول
فرمائیں۔ آمین ثم آمین!